پستک بھنڈار لاہور کی علمی و اخلاقی کتب کے سلسلہ میں نمبر ۲

مہاپرشوں کے جیون سے سبق لو ہندو۔ اور
تھے وہ جیسے کرو ہمت کہ خود بھی ویسے ہو جاؤ

سوامی ویکانند جی

اور اُن کی تعلیم

معہ چند خطوط بر حالتِ ہند و اقتباس از تقاریر۔

مؤلفہ

منشی نارائن رائے زادہ

جسے
رام داس پستک بھنڈار لاہور نے
۱۹۱۲ء
دیپک چھوت پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام لالہ بوٹا رام چھپوا کر شائع کیا
تعداد ... قیمت ...

دیباچہ

گذشتہ صدی میں بد قسمت آریہ ورت کو گری ہوئی حالت سے اٹھانے بد نصیب رشی پتروں کو چاہ ضلالت سے نکالنے۔ جاہل ہند جاتی کو خود غرض پجاریوں سے دام تزویر سے بچانے اور غافل آریہ ستان کو خواب غفلت سے جگانے کا پوتر مشن جن پاک آتماؤں نے اپنے سر پر لیا ان میں سے شری یان سوامی وویکانند جی بھی ایک ہیں آپ نے بھارت اُدھار کے متعلق جو کچھ کام کیا ہے۔ وہ تقریباً تمام ہی شمالی ہند سے باہر ہوا ہے۔ اس لئے شمالی ہند میں آپ کے نیک نام اور پوتر کام سے بہت کم اصحاب واقف ہیں اس لیے راقم نے ضروری سمجھا۔ کہ پنجاب اور ممالک متحدہ کے رہنے والے بھائیوں کو آپ کے کام سے کچھ واقفیت کرائی جاوے اور بتلایا جاوے کہ آپ کے پوتر ہردے میں دھرم نشٹھا جاتی اور سنسار کا پریم ہوتے ہوئے بھی اپنی پیاری ماتری بھومی کا پریم کیسا اگادھ تھا۔ آپ نے اپنی پیاری زیر خفتی ماتری بھومی کی خود کیسی سیوا کی اور آپ اپنے متروں اور دوستوں کو اپنے پیار سے بھارت کی خدمت کے لئے کس طرح اکساتے رہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ کس طرح

آپ بچپن سے ہی سے

{ بلائے سرش نہ ہوشمندی
{ مے تا فت ستارہ بلندی } کے مصداق تھے۔

کس طرح آپ کے پاک دل میں سچائی دریافت کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور بار بار ناکامیابی اٹھانے کے بعد آپ کو کامیابی نصیب ہوئی۔ کس طرح آپ نے مہرشی رام کرشن پرمہانس کی سیوا میں رہ کر تتو گیان حاصل کیا۔ اور کیسی سخت ریاضت اور جفا کشی کے بعد آپ نے امور حقانی میں آگہی حاصل کی اور کس طرح اپنی اس محنت اور مشقت کے پھلوں سے دنیا کو فیضیاب کرنا شروع کیا۔

جہاں امریکہ۔ انگلینڈ۔ فرانس وغیرہ وغیرہ ممالک میں جاکر آپ نے ہند و فلسفہ اور تتو گیان کا بیج بویا۔ باشندگان یورپ اور امریکہ کے دلوں میں ویدوں اور ویدوں کی اننت شاکھاؤں کا گیان حاصل کرنے کی خواہش پیدا کی اور انہیں بتایا۔ کہ دنیا کے اندر سب کچھ مادہ ہی نہیں۔ بلکہ مادہ سے بھی لطیف تر اور طاقتور ایک چیز موجود ہے۔ جس کا علم مادہ کے علم سے بھی زیادہ ضروری ہے اور جس کا سچا سچا گیان مادہ کے گیان سے بھی زیادہ فائدہ مند اور منفعت بخش ثابت ہو سکتا ہے۔ وہاں مغربی دنیا سے واپس آ کر آپ نے اپنے دیس بھائیوں کو یہ بتایا کہ اٹھو کس خواب غفلت میں پڑے ہو۔ برہم کے بھرام میں پھنس کر دنیا سے غافل ہو جانا سخت غفلت اور نادانی ہے۔ ستیہ گیان بذات خود بہت اعلےٰ اور افضل ہے لیکن بڑی کڑی منزل ہے۔ اس منزل کی ابتدا سنسارک گیان سے ہوتی ہے۔ سنسارک

شکتیوں سے بے خبر رہ کر اگر کوئی برہم کو پانا چاہتا ہے وہ غلطی پر ہے
کیونکہ یہ سنسار برہم سے علیحدہ نہیں وہ اس میں رما ہوا ہے برہم
گیان اور سنسارک گیان گیان کے دو پہلو ہیں مناسب اور انصاف تو
یہ ہے کہ دونوں پہلوؤں میں ساتھ ساتھ ترقی ہوتی جاتی ہے لیکن
ہندوستانیوں کی بدقسمتی سے ان کے لئے یہ امر اگر ناممکن نہیں
تو نہایت ہی مشکل تو ضرور ہی ہے اس لئے یہی بہتر ہے کہ جو کچھ تھوڑی
بہت آتمک اُنتی ان میں باقی ہے۔ اسے ہی قائم رکھتے ہوئے وہ سنسارک
اُنتی کی طرف دھیان دیں۔ اور مذہب میں جو فسردعات داخل ہو گئی ہیں
انہیں دور کر کے دھرم مارگ پر چل کر اپنی اپنے دیش کی اور اپنے دیش
بھائیوں کی بہتری اور بہبودی کی خواہش کو اپنے دل میں جگہ دے کر ہمت
اور استقلال سے دیش اُدھار کا بیڑا اٹھاویں۔

ان کی یہ تعلیم جو کہ انہوں نے مغرب اور مشرق میں دی تھی بعض
آدمیوں کو متضاد معلوم ہو گی اور بہت سے کوتہ اندیش یہ خیال کریں
گے کہ شاید آپ کو غیر ممالک والوں سے عداوت تھی۔ اور اپنے ملک
والوں سے محبت جو انہیں وہ تعلیم دی۔ جسے یہ اپنے ملک سے دور
کرنا چاہتے ہیں۔ ان اصحاب کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ایسے مہا پرش
راگ اور دویش سے الگ ہوتے ہیں۔ یہ تعلیم انہوں نے مستحق اور
غیر مستحق کا خیال کر کے دی تھی۔ آپ اس معاملہ میں حکیم حاذق تھے جس
ملک اور جس قوم میں جس تعلیم کی ضرورت آپ نے خیال کی وہی تعلیم
..... وہاں آپ نے دی۔ امریکہ اور یورپ والے مادی ترقی
بہت کر چکے ہیں۔ اس لئے آپ نے ضروری سمجھا۔ کہ انہیں پہلی سیڑھی سے

دوسری سیڑھی پر چڑھنے کا مشورہ دیا جائے۔ آپ نے معلوم کیا کہ ہندوستان والے چونکہ دوسری سیڑھی پر چڑھ کر اپنی بدقسمتی سے پھر نیچے گرے ہیں۔ اس لئے تدنتا وہ گرتے گرتے بھی یکدم دوسری سیڑھی پر پہنچنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں بس آپ نے خیال کیا کہ انہیں ایسا راستہ بتانا چاہئے۔ جس سے ان کے دلوں میں دوسری سیڑھی کی عظمت اور ضرورت بھی قائم رہے۔ اور یہ پہلی سیڑھی پر چڑھنے کی بھی کوشش میں رہیں۔ صورت حال ایسی ہوتے ہوئے کوئی شخص بھی آپ کو غیر ضروری طرف داری کا ملزم قرار نہیں دے سکتا۔ اور جو کوئی ایسا کرتا ہے۔ وہ اپنی بے وقوفی کا اظہار کرتا ہے٭

اس کتاب کے حصہ اول میں آپ کا مختصر جیون چرتر پیش کیا گیا ہے امید ہے۔ کہ ناظرین ان کے سبق آمیز زندگی سے استقلال اور مضبوطی ارادہ کا پورا پورا سبق حاصل کریں گے٭ اور تیسرے حصہ میں آپ کی مذہبی تعلیم پیش کی گئی ہے جو کہ صداقت کے تلاش کرنے والوں کے لئے کم مفید ثابت نہ ہوگی دوسرے حصہ میں آپ کے وہ خطوط جمع کئے گئے ہیں۔ جو کہ آپ نے وقتاً فوقتاً غیر ممالک سے اپنے دوستوں کے نام بھیجے ہیں ان خطوط میں آپ نے وہ ذرائع بیان کئے ہیں۔ جو کہ آپ کے خیال مبارک میں گرے ہوئے بھارت ورش کے اٹھانے میں سب سے زیادہ مدد دے سکتے ہیں۔ یہ خطوط اس امر کو ظاہر کرتے ہیں۔ کہ آپ کے پوتر دل میں بھارت کا کیسا اگاد پریم تھا۔ اور آپ آریہ ورت کی گری ہوئی حالت پر کیسا افسوس

کرتے تھے۔ ۵۰

آخر میں میری اپنے کرم فرما ناظرین سے بے پرارتھنا ہے۔ کہ آپ آریہ بنیں۔ پرماتما پر بھروسہ رکھو۔ اور یقین رکھو کہ ابھی وہ آپ کو دنیا سے نیست و نابود نہ ہونے دیں گے۔ دیکھو اس تھوڑے سے عرصہ میں انہوں نے آپ کو خواب غفلت سے جگاتے کے لئے اور راہ راست پر لانے کے لئے کتنے مہاپرش بھیجے۔ کیا رام موہن رائے دیانند۔ وویکانند اور رام جیسے مہاتماؤں کے پے در پے آنے سے آپ کو یہ یقین نہیں آتا۔ کہ پرماتما آپ کو نیست و نابود ہونے سے بچانا چاہتے ہیں۔ اگرچہ بعض کم فہموں کو ان مہاتماؤں کی تعلیم ایک دوسرے سے متضاد معلوم ہوتی ہے۔ اور ان کے پیرو اپنی نادانی کے باعث ایک دوسرے سے جھگڑتے اور فساد کر رہے ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کی تعلیموں میں بہت کم فرق ہے۔ اصل اصول سب کی تعلیم کا ایک ہی ہے۔ سب نے جھوٹ اور مکر کے برخلاف آواز اٹھائی ہے سب نے کیول گنا د آدمی مہرشیوں کی مہان گائی ہے۔ سب نے وید۔ شاستروں کو اپنی تعلیم کا منبع مانا ہے۔ سب نے خودغرض کے جال سے ہوئے بھائے آریوں کو نکالنا چاہا ہے۔ اس لئے اگر ہم ان حقیقی گوروؤں کی تعلیم کے اختلافات کو جو نسبتاً بہت کم ہیں نظر انداز کر کے ان کی تمام تعلیم کو اختیار کریں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر ان کے جاری کئے ہوئے مشن کی تکمیل کے لئے کوشش کریں تو وہ دن دور نہیں۔ کہ ہندوستان موجودہ گری ہوئی حالت سے اٹھنا شروع ہوگا۔ اور لوگوں کے دلوں سے مایوسی کی کالی گھٹا دور ہو کر

اس کے پیچھے سے امید کے روشن آفتاب کی چمکدار کرنیں ظاہر ہونی شروع ہوں گی۔ آؤ بھائیو ہم بھی ان رہنمایان حقیقی کی پاک زندگی سے پاکیزگی اور استقلال کا سبق لیں۔ اور مایوسی اور نراشا کے پھندے سے نکل کر ستی اندیہتری کی امید کو اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہوئے ان کی متبرک زندگیوں کی تقلید کریں۔ اور اسی راہ میں اپنا جیون سمرپن کرتے ہوئے مکر اور کذب کی اندھیری گھٹا کو دور کرنے میں سعی اور کوشش کریں ‡

پرماتما آپ کو طاقت دیں کہ آپ ہمت و جرات کر کے خودغرضوں کے جعل اور فریب سے نجات پائیں و مکاروں کی غلامی سے آزادی حاصل۔ اور اپنا جیون اپنے بھائیوں کو اس فریب و دغا سے نجات دلانے اور اس غلامی سے آزاد کرانے میں سمرپن کریں۔ پرماتما آپ کو بل دیں کہ آپ ماتری بھومی کی سیوا کی ذمہ داری کو سمجھ کر اپنے اس پاک فرض کی ادائیگی میں تن من دھن ارپن کر دیں۔ اور اپنی آنے والی نسلوں کے لئے مثال بن کر ہمیشہ آفات اور مصائب کے وقت ان کی دستگیری کرنے والے ثابت ہوں پرماتما آپ کے ہردیوں کو پریتا کرین۔ کہ آپ ان سچے گوروؤں کے امرت اپدیش سے ماتری بھگتی کا برت دھارن کریں۔ اور اس برت کے پالن میں ہی اپنا جیون سمرپن کر دیں۔ آپ یقین رکھئے کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کی یہ کوششیں اکارتھ نہ جائیں گے۔ آپ کی یہ قربانیاں ضرور پھل لائیں گی۔ اور یہ پھل آپ کے اور آپ کی سنتان کے لئے امرت پھل ہوگا۔ اس امرت پھل کو کھا کر آریہ جاتی اس بھیانک موت کے منہ سے بچ کر نکل جائے گی۔ جو کہ

منہ کہولے سامنے کہڑی ہے۔ اور جسے دیکہہ دیکہہ کر اب رشی سنتان کا ہر فرد کانپ رہا ہے ؛

ویرو۔ ہمت کرو۔ رشیوں کی آگیا سر پہ دہرو۔ اگیان کو مار بہگاؤ۔ گیان کی جوتی پہیلاؤ۔ پہر تم ترسن ہو نگے۔ اور آپ کو امر پہل پردان کریں گے۔ جیسے کہا کہ تم اور تمہاری آنے والی سنتان ضرور موت سے بچ نکلو گے۔ اگر تم نے رشیوں کے احکام کو نہ مانا۔ تو یاد رکہو قحط اور طاعون تمہارا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہ چہوڑیں گے۔ تمہارے بچے روٹی کے ٹکڑے تک کے لئے بلک بلک کر مر جائیں گے اور صفحہ ہستی پر تمہارا نام و نشان باقی نہ رہے گا ؛

جاگو جاگو یہ خواب غفلت کب تک
چہوڑو چہوڑو یہ کبر و نخوت کب تک
سوچو تو تمہاری ہستی عالم میں ہے کیا
آئیگی تمہیں ہائے نہ غیرت کب تک

ابتدائی حالات

شری مان سوامی جی مہاراج کا جنم ۹ر جنوری ۱۸۶۳ء کو بنگال کے ایک پرانے کایستھ خاندان میں ہوا۔ اس خاندان کا نام سمولیا کا دت خاندان تھا۔ آپ اپنے دادا جی کے بہت ہم شکل تھے۔ یہ مہاتما بھی زندگی کے آخری حصہ میں سنیاسی ہو گئے تھے۔ آپ کے پتا جی کا نام بابو وشوناتھ دت تھا۔ اور آپ کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک مشہور اٹارنی تھے۔ آپ کی ماتا جی نہایت عقلمند اور ہوشیار دیوی تھی۔ ان کی قوت حافظہ غضب کی تھی۔ جس بھجن کو وہ ایک دفعہ کہیں سن لیتی تھیں۔ اسے نہایت آسانی سے اسی ترنگ میں دوبارہ ادا کر سکتی تھیں ؂

آپ کی ماتا جی نے آپ کے لئے برسوں بنارس میں رہ کر شیوجی مہاراج کی اپاسنا کی تھی۔ اس لئے بچپن میں آپ کا نام ویریشور رکھا۔ جب آپ کا وید آرنبھ سنسکار کرا کے آپ کو سکول میں داخل کرایا گیا۔ تب آپ کا نام نریندر ناتھ دت پڑا۔ آپ بچپن ہی سے نہایت ذہین اور ہوشیار تھے۔ غود غرض کی عادات ابتدا ہی سے آپ میں پائی جاتی تھی۔ معصوم اور ستم رسیدہ آدمیوں کو دیکھکر لڑکپن میں ہی آپکا دل بھر آیا کرتا تھا۔ اور آپ حتی الوسع انہیں مدد پہنچایا کرتے تھے۔ راستی اور آزاد پسندی کے آپ ہمیشہ سے شیدا رہے ہیں۔ اور جوں جوں آپ سن بلوغت کو پہنچتے گئے آپ کی یہ سب خاصیتیں اور صفات ترقی پذیر

ہوتی گئیں ؀

جوانی میں غور و خوض کی عادت نے آپ کو انگریزی فلسفہ کے مطالعہ میں بہت مدد دی - ابھی آپ نے کالج بھی نہیں چھوڑا تھا کہ ہربرٹ سپنسر جیسے استاد زمانہ فلاسفر کے فلسفہ پر نکتہ چینی شروع کر دی صرف یہی نہیں کہ آپ نے اپنے ہم جماعتوں یا احباب میں ہی اس افلاطون وقت کے اصولوں پر رائے زنی کی ہو - بلکہ آپ نے خود ہربرٹ سپنسر کے پاس اس کے فلسفہ کی نسبت اپنی رائے صاف لکھ بھیجی - سپنسر اس نوجوان کی جولانئے طبع اور غور و فکر کے کمال کو دیکھ کر بہت خوش ہوا - اور ایک نہایت ہی ہمت دلانے والا اور حوصلہ بڑھانے والا خط بھیجکر آپ سے درخواست کی کہ آپ برابر راستی اور صداقت کی تحقیقات میں لگے رہیئے - کیونکہ دنیا میں اس سے بہتر اور کوئی کام نہیں ؀

ایام طالب علمی میں مغربی فلسفہ کا مطالعہ یہ رنگ لایا - کہ آپ دہریے اور ناستک بن گئے - کالج سے نکل کر آپ کو برہم سماجیوں سے سابقہ پڑا - اور ان کی صحبت سے متاثر ہو کر آپ دہریہ پن چھوڑ کر برہمو ہو گئے - لیکن بعد میں انہیں معلوم ہوا - کہ برہموازم کی چمکدار روشنی میں بھی روحانیت کا مادہ برائے نام ہے آپ نے اسے بھی خیرباد کہا - اور کسی بہتر راستہ کی کھوج میں لگے - اس زمانہ میں آپ کی آتما کو بڑے بڑے کشٹ ملے - آپ سچائی کی تلاش میں حیران و سرگردان تھے - سچائی کہیں بھی نہ ملتی تھی - آپ ست چت آنند پرماتما کے درشن کے ابھلاشی تھے - مگر وہ ہر جگہ موجود ہونے ہوئے بھی اگیان کا پردہ بیچ میں حایل ہونے کے کارن آپ کو نظر نہیں آتے تھے - اس صداقت

کی تلاش میں آپ مختلف مت متانتروں کے گوروں سے ملے اور ان سے روحانی صداقت کا پتہ لگایا مگر ہر جگہ دہوکے کی ٹٹی ہی نظر پڑی۔ کوئی کچھ نہ بتا سکا۔ آپ کو ایسے گورو کی تلاش تھی۔ جو آپ کے دل سے تمام شک و شبہ مٹا دیتا۔ مگر اس عرصہ میں آپ کو جو ملا ان وسوسات کو بڑہانے کا ہی موجب ثابت ہوا!!

آپ بی۔ اے کا امتحان پاس کر چکے تھے۔ اور وکیل بننے کے لئے قانون کی تیاری کر رہے تھے۔ خوش قسمتی سے آپ کے ایک رشتہ دار ہمیں شری رام کرشن پرم ہنس جی کے درشن کرنے لے گئے۔ نریندر ہر طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ یہاں بھی اگرچہ اسے کسی قسم کی امید نہ تھی۔ لیکن چلا ہی گیا جونہیں کہ اس نے پرم ہنس جی کے درشن کئے۔ اسے ایسی شانتی ہوئی۔ جیسی کہ پیاسے کو ٹھنڈے اور نرمل پانی کا چشمہ دیکھکر ہو جاتی ہے۔ گورو نانک دیوجی کے بچن انوسار گو یا کہ

بسر گیا میرے من کا شنشے جب تیرا درشن پایو رام

ان پہ بالکل صادق آیا۔ شری رام کرشن پرم ہنس بھی سمجھ گئے کہ یہی وہ شخص ہے۔ جس کی مجھے مدت سے انتظار رہی جو کہ بھارت بہومی کا کشٹ دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ پرم ہنس جی نے پوچھا کہو بچہ کچھ گانا جانتے ہو۔ نریندر نے جواب دیا۔ مہاراج اپنا چت پرسن کر لیتا ہوں۔ پرم ہنس جی نے کہا تو اچھا ہمارا بھی چت پرسن کرو۔

یہ سن کر نریندر نے اپنی بھری ہوئی اور سریلی آواز میں بھگتی اور پریم رس کے دو تین بھجن گائے۔ پرم ہنس جی پسان بھجنوں نے ایسا اثر کیا۔ کہ وہ سمادہی میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب

سمان ہی ٹوٹی تو نریندر ان سے رخصت ہوا۔ رخصت ہوتے ہوئے نریندر سے پرم ہنس جی نے کہا کہ کبھی اکیلے آنا۔

اسی طرح پرم ہنس جی کے پاس آتا جاتا۔ ان کے اپدیشوں سے لابھ اٹھاتا ہوا۔ نریندر۔ ایک دن ان کا چیلا ہو گیا۔ ست گورو نے سچائی کے متلاشی چیلے کا ہر ایک سنشا دور کر دیا۔ اور وہ وہ گپت راز بتلائے جنہیں معلوم کر کے نا تجربہ کار لڑکے کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے اپنا جیون سپھل مانا۔

سیر و سیاحت

۱۶- اگست ۱۸۸۶ء کو شری رام کرشن پرم ہنس جی نے دیہہ تیاگ کیا ان کے ششیہ نے ان ہی کے مارگ پر چلنے کا ارادہ کیا۔ اور گھر بار چھوڑ کر سنیست آشرم میں پرویش کر کے وویک یعنی غور و خوض میں آنند پانے والا اسم بامسمی وویکانند نام پایا۔ گرہست سے نکلنے میں طرح طرح کی دقتیں پیش آئیں۔ دوست احباب نے طرح طرح سے سمجھایا۔ رشتہ داروں نے ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کیں۔ مگر۔

پختہ کاران جنوں را کے حیا زنجیر پاست

لہ۔ سوامی وویکانند جی کے گورو پرم ہنس رام کرشن جی کی زندگی کے مکمل حالات و خیالات مطالعہ کرنے کے لئے جیون چرتر پرم ہنس رام کرشن منیجر اپنا پک بھنڈار لاہور طلب فرماویں۔

پہنچے شناشی کے راہ میں کوئی دقت اور مشکل کھڑی نہ رہ سکی۔ آخرکار ماں باپ بہائی۔ بہن کی الفت چھوڑ کر یار دوستوں کی رفاقت سے منہ کو موڑ کر اس باہمت نوجوان نے اپنے آپ کو اپنے دیش اور جاتی کے پریم ساگر میں ڈوبا دیا۔ تمام عالم کی اُلفت اپنا مشن ٹہرا لیا دنیاداری کو ترک کرکے کاسہ گدائی ہاتھ میں لیا۔

دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب تنہائی میں وچار اور بھگوت بھجن کرنا چاہیئے۔ گورو کے مٹھ کو چھوڑ کر ہمالیہ کی طرف چل دیئے اور وہاں جاکر فلاسفی کے باریک نکتوں پہ غور و خوض کرنے لگے۔ تبت پونچے بودھ دہرم کے شاستروں کا مطالعہ شروع کیا۔ چھ سات سال اسی طرح پربتوں میں بچرتے رہے۔ میدانوں میں آکے من میں ترنگ اُٹھی۔ دیش کی سیر کرنی چاہیئے۔ ڈنڈ کمنڈل سنبھال کر جدھر کو منہ اُٹھا چل کھڑے ہوئے۔ دکشن میں ٹراونکور اور مدراس تک پہنچے۔ دیش باسیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ہر جگہ مکر و دغا کا جال پھیلا ہوا نظر آیا۔ خود غرضوں کو بھولے بھالے آدمیوں کو لوٹ لوٹ کر گھر بھرتے دیکھا۔ پرجا کو قحط اور مری سے دُکھ بھوگ کر مرتے دیکھا۔ جات پات کے اپھندوں میں پھنسے ہوئے لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ اپنوں کو بیگانہ سمجھ سمجھ کر ان کے سایہ سے بھی ڈرتے تھے۔ اس طرح جہالت کا راج اور علم کو تاخت و تاراج کذب و مکر کا زور شور اور صداقت کو کافور دیکھ کر اپنے اپدیش کی منوہر آواز اٹھائی۔ جہاں کہیں گئے۔ ہزاروں آدمیوں پہ اپنا اثر ڈالا ہزاروں کے دلوں سے وہم اور

شبہ کا بھوت نکالا۔ نوجوانوں کو بھارت کی حالت کا نقشہ دکھایا۔ پرانی عظمت اور عزت کا مرقع پیش نظر کرایا۔ اور بتایا کہ بھارت ہمیشہ سے ایسا ہی نہیں چلا آیا۔ ایک وقت تھا جب کہ اس کی عظمت کی دنیا قایل تھی۔ اس کی صنعت و حرفت پر ہر قوم مایل تھی۔ ہر ملک کے دانا یہاں علم و ہنر سیکھنے آتے تھے۔ یہاں سے تعلیم لے جاکر اپنے ملکوں میں پھیلاتے تھے دنیا میں آریہ ویروں کی شوکت و حشمت کا ڈنکا بجتا تھا۔ ہر ایک ملک میں ویدوں کی تعلیم کا جھنڈا گڑا ہوا تھا۔ نوجوانوں کو ان کی پرانی عظمت یاد دلاکر ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ اگر ہمت کرو تو تم اپنا مستقبل بھی ایسا ہی اعلےٰ بنا سکتے ہو۔ اور اس چاہ ضلالت سے نکل کر فلک نیک نامی پر جا سکتے ہو۔ وہاں شہرت کے آفتاب بنکر چمک سکتے ہو اور فضیلت کے ماہتاب ہو کر دمک سکتے ہو۔ موجودہ حالت پر افسوس دلایا۔ اور آیندہ کے لیئے حوصلہ بڑھایا۔ ہر خاص و عام کے دلوں میں آپ کی عظمت نے جگہ پائی اور ہر شخص آپ کو خاص عزت سے دیکھنے لگا۔ انہی دنوں چکاگو میں مذہبی کانفرنس ہونے کی خبر آئی سوامی جی اس وقت مدراس میں تھے۔ مدراسیوں نے آپ کو ہندو دھرم کا وکیل بنا کر امریکہ بھیجنا چاہا۔ وہاں انکار کسے تھا۔ فوراً طیاری ہو گئی آناً فاناً میں خرچ و اخراجات کے لیئے چندہ ہو گیا۔ اور سوامی جی جاپان ہوتے ہوئے امریکہ پدھارے ✢

سوامی جی امریکہ میں

جب آپ امریکہ پہنچے روپیہ ختم ہو گیا لیکن آپ پورے سادھو

تھے۔ آپ کو کیا فکر تھا۔

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست

ایک روز فاقہ کشی تک نوبت پہنچی۔ آپ بوسٹن کے قریب ایک گاؤں میں پھر رہے تھے۔ ایک بوڑھی لیڈی نے آپ کی عجیب ہئیت دیکھ کر آپ سے دریافت کیا۔ کہ آپ کون ہیں۔ اور یہاں اس طرح کیوں پھر رہے ہیں۔ جواب میں آپ نے کہا "کہ میں ہندوستانی ہوں اور یہاں مذہبی کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے آیا ہوں۔ مسافر ہوں۔ سیر کرتا پھر رہا ہوں۔ لیڈی نے انہیں عجیب الخلقت انسان سمجھ کر اپنے یہاں ان کی دعوت کی۔ اس دعوت کی علت غائی صرف یہ تھی۔ کہ وہ اپنے احباب کو مشرقی دنیا کا یہ عجیب نمونہ دکھائے لیکن جب ان لوگوں نے آپ سے بات چیت کی تو انہیں معلوم ہوا۔ کہ آپ کس لیاقت اور کمال کے آدمی ہیں سچ ہے ؎

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

آپ کے طرز تکلم اور انداز بیان نے حاضرین میں سے ہر ایک کو آپ کا شیدا بنا لیا۔ اور ہر شخص آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہونے لگا۔ چونکہ آپ فلسفہ کے نہایت باریک نکتہ جات پر گفتگو کرتے تھے۔ اور وہ لوگ اس گفتگو کو پوری طرح سمجھ نہ سکتے تھے۔ اس لئے اسی وقت فلسفہ کے ایک پروفیسر کو جو کہ اتفاق سے اس روز اس گاؤں میں آیا ہوا تھا۔ آپ سے بات چیت کرنے کے لئے بلایا گیا۔ اور وہ سوامی جی کے ساتھ بات چیت کر کے بہت محفوظ ہوا۔ وہ پروفیسر سوامی جی کو اپنے ہمراہ بوسٹن لے گیا۔ اور وہاں

آپ کی ڈاکٹر ہیروز سے ملاقات کرائی۔ ڈاکٹر ہیروز مذہبی کانگریس کے پریزیڈنٹ منتخب ہونے والے تھے۔ انہوں نے سوامی جی کو ہندو ازم کا قائم مقام منظور کر لیا۔ اس کانگریس میں آپ نے جو تقریر کی اس سے امریکہ میں آپ کی دھوم مچ گئی۔ کانگریس میں ہر شخص کی نظر آپ پر ہی پڑتی تھی۔ امریکن اخباروں نے آپ کی تعریف کے پل باندھ دیئے۔ آپ کی بابت نیو یارک کریٹک نے تحریر کیا تھا۔ کہ آپ کو تقریر کرنے کا پورا مادہ قدرت کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ آپ کے مردانہ چہرہ سے دوراندیشی اور معاملہ فہمی ظاہر ہوتی ہے۔ اور جب آپ تقریر کرتے ہیں۔ تو آپ کے زرد رنگ پر سرخی آجاتی ہے اس وقت آپ کا چہرہ آپ کے صداقت بھرے فقروں اور زوردار الفاظ سے کم دلاویز نہیں ہوتا۔

نیو یارک ہیرلڈ نے لکھا تھا۔ اس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں کہ ساری کانفرنس میں وویکانند سب سے بڑا اور زیادہ قابل تعظیم شخص ہے۔ اس کی عالمانہ تقریر کو سن کر ہمارے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس عالم قوم کے سدھار کے لئے جس میں ایسے ایسے لعل بھرے پڑے ہیں۔ عیسائی مشنری بھیجنا کیسی فضول اور نامعقول حرکت ہے۔

امریکہ کی علمی سوسائیٹوں کی طرف سے ہر روز آپ کو دعوت ملنے لگی۔ اور شہر شہر میں آپ کے لیکچر کرائے گئے۔ آپ امریکہ میں سال بھر بھی نہ ٹھہرنے پائے تھے۔ کہ وہاں آپ کے دو چیلے بن گئے ان میں سے ایک شریف زادی تھیں۔ جن کا عیسائی نام میڈم لوئی تھا

ان کا نام بعد میں سوامی ابھیانند پڑا۔ دوسرے صاحب مسٹر سینڈزبرگ نامی کا نام سوامی کرپانند رکھا گیا۔ امریکہ میں ویدانت کا جھنڈا گاڑ کر آپ انگلستان کی طرف روانہ ہوئے۔

انگلستان کی سیر

انگلستان میں آپ کا قیام تین ماہ کے قریب رہا۔ یہاں پر بھی آپ نے امریکہ کی مانند اپنے پوتر مشن کا خوب زور شور سے پرچار کیا ہر ایک بڑے شہر میں جا کر اپدیش کئے ویدانت کی تعلیم دینے کے لئے جماعتیں کھولیں۔ جہاں پر متلاشیان صداقت آ کر اپنے دلی شکوک کو دور کرتے تھے۔ اور سوامی جی کے امرت اپدیش سے لابھ پا کر اپنا جیون سپھل کیا کرتے تھے۔

سوامی جی کی مدح سرائی میں انگریزی اخبار بھی اپنے امریکن بھائیوں سے پیچھے نہ رہے۔ ان میں سے ایک نے تحریر کیا تھا کہ لنڈن میں ہر ملک اور ہر قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ مگر اس عالیشان شہر میں آج کل اس شہرۂ آفاق اور مشہور عالم فلاسفر سے بڑا اور کوئی آدمی نہیں جس نے شکاگو کی مذہبی پارلیمنٹ میں ہندو مذہب کی وکالت کی تھی۔

آپ نے پروفیسر میکس مولر سے ملاقات کی انہوں نے آپ کو سوامی رام کرشن پرمہنس جی کی سوانح عمری لکھنے اور ان کے کلام کو جمع کرنے کی ترغیب دی اس عرصہ میں مس مارگریٹ نوبل نامی ایک

ـــ جانے پہ پھر اپنا کام شروع کر دیتے۔ امریکہ سے آپ کیلی فورنیا تشریف لے گئے۔ کیلی فورنیا کے قیام نے آپ کی صحت پر بہت عمدہ اثر کیا اور آپ نے لیکچر دینے شروع کر دئے۔ سانفرانسسکو میں آپ نے ایک ویدانت سوسائیٹی قائم کی اور "شانتی آشرم" نامی ایک آشرم کھولا جو کہ اب تک قائم ہے۔ جب آپ نیویارک میں تھے تب آپ کو ۱۹۰۰ء میں پیرس کی مذہبی کانگریس سے دعوت آئی۔ آپ نے بسر و چشم اسے قبول کیا۔ وہاں آپ نے فرانسیسی زبان میں ہندو فلاسفی پہ ایک عالمانہ لیکچر دیا جس سے فرانس میں آپ کی لیاقت اور قابلیت کی دھوم مچ گئی۔

ہندوستان میں دوبارہ واپسی

فرانس سے آپ ہندوستان واپس آئے۔ مگر فرانس کے قیام کے دنوں میں آپ کو اتنی محنت کرنی پڑی کہ پھر آپ کی صحت خراب ہو گئی اور ایسی بگڑی کہ سدھرنے میں ہی نہیں آئی۔ مگر آپ کام کے عاشق تھے۔ بیماری بھی آپ کو کب بیکار رکھ سکتی تھی۔ یہاں آکر بھی آپ نے سادھوؤں کے واسطے رام کرشن آشرم قایم کیا۔ اس کے علاوہ بنارس میں برہمچاریوں کے واسطے ایک آشرم اور ایک پاٹ شالہ جاری کی۔ اس پاٹ شالہ کا نام آپ نے رام کرشن پاٹ شالہ رکھا۔ درماندگان اور مصیبت زدگان کی رہایش کے لئے آپ نے بنارس میں ایک دوسرا آشرم کھولا جس کا نام رام کرشن ہوم رکھا گیا جب آپ ان

کار خیر میں لگ رہے تھے۔ تو جاپان کے چند مشہور آدمی آپ کے پاس آئے۔ اور آپ سے جاپان کی مذہبی کانگریس میں شریک ہونے کی التجا کی مگر آپ کی صحت بہت بگڑ چکی تھی۔ اس لئے آپ نے اپنی ناقابلیت پر افسوس ظاہر کر کے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اور کچھ روز بعد سے یعنی ۴۔ جولائی ۱۹۰۲ء سے آپ دھیان میں بہت مگن رہنے لگے گو آپ کی صحت بالکل خراب ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی آپ کے چہرہ کا جلال دیکھ کر کوئی شخص آپ کو بیمار نہ کہہ سکتا تھا۔ اور اس کے علاوہ ظاہر طور پر بیماری میں کسی قدر افاقہ بھی معلوم دیتا تھا۔ اس دن بھی آپ نے صبح کے وقت دو بار ہتیوں کو پانی ویاکرن پڑھایا اور شام کو پیا سوؤں کو ویدا اپدیش کیا۔ ازاں بعد سیر کرنے گئے۔ وہاں سے واپس آ کر سمادھی میں بیٹھے اور نو بجے رات کے مہا سمادھی میں مگن ہو کر اس پار برہم پرماتما کی شرن میں جا پہنچے جس کا ایک خاص مشن لے کر وہ اس دنیا میں آئے تھے ؛

سوامی جی کی ہستی کی فضیلت

ناظرین آیئے آپ ذرا غور کریں کہ وہ کیا چیز تھی جس کی بدولت آپ کو انسانوں پر ایسا غیر معمولی قابو حاصل ہو جاتا تھا۔ وہ کیا طاقت تھی جس نے اس طرح آپ کو یک بیک آپ کے ہم پلہ انسانوں میں سب سے آگے بچا کر کھڑا کر دیا۔ وہ کیا کشش تھی۔ جس کی وجہ سے انسان آپ کے روبرو جاتے ہی آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اور آپ

کے منو ہر اپدیش کو سن کر کرتارتھ ہونا چاہتا تھا۔

یہ کچھ آسان کام نہیں۔ انسانی ہستی میں ایسے عنصر کو دریافت کرنا جس کی وجہ سے اسے کوئی خاص طاقت حاصل ہو کوئی کھیل نہیں لیکن سوامی جی کی ہستی میں اس عنصر کا معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے اور یہی وجہ تھی۔ کہ اکثر آدمی آپ کی طرف ایسے کھچ کر آتے تھے جیسا لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔

سب سے اول تو آپ کا شریفانہ اخلاق تھا۔ جو کہ اعلے مذہبی پیشواؤں کو معمولی آدمیوں پر نہایت فوقیت دیتا ہے۔ آپ دنیا کی ہر ایک شے کو پریم اور پریتی کی نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ اور آپ کی یہ دلی خواہش تھی۔ کہ جو کہ ہے سنسار سب دکھوں اور کلیشوں سے چھٹ کر آنند میں پرماتما میں دیاپک ہو کر پرمانند کو پراپت ہو جائے آپ کو دکھیا بھارت سے اگادھ پریم تھا۔ لیکن اس پریم کی وجہ سے آپ دنیا کے باقی ملکوں کو بیگانہ خیال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ

ترجمہ۔ دریا دل انسان تمام دنیا کو اپنا عزیز رشتہ دار خیال کرتے ہیں کے پورے عامل تھے۔ بھارت سے زیادہ پریم ہونے کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ کو بھارت کی پرانی فضیلت اور بزرگی معلوم تھی۔ اور آجکل کی درماندگی بھی آپ سے پوشیدہ نہ تھی۔ یہی گری ہوئی حالت آپ کے پوترمن میں بھارت کی طرف سے ہمدردی اور درد پیدا کرنے کا باعث تھی۔ اور اسی ہمدردی اور ہمدردانہ درشٹی کا نتیجہ تھا۔ کہ آپ بھارت کو اپنے پریم کا زیادہ مستحق خیال کرتے تھے۔ اور دل سے چاہتے تھے کہ

بدنصیب ہندوستان اس گری ہوئی حالت سے نکل کر پھر فضیلت
اور بزرگی کے آسمان کا تارہ بن کر دنیا کے سر پر چمکے۔

وہ وہم جھوٹ اور پاکھنڈ سے آپ کو قدرتی نفرت تھی۔ آپ کی خواہش
تھی۔ کہ ہر ایک شے گیان اور علم کے نور سے منور ہو جائے اور
اس پر سے کذب اور بطالت کا زنگ دور ہو جائے۔ اسی وجہ سے
آپ ہندو جاتی کے عیوب اور خرابیوں کو نہایت ہمت اور جرات
کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ اور ان سے درخواست
کیا کرتے تھے۔ کہ وہ ان توہمات کے اندھیرے سے نکل کر علم اور
عقل کی روشنی میں آئیں۔ اور معلوم کریں۔ کہ وہ کیا کرتے تھے۔
اور کیا ہو گئے۔ آپ کا سوامی دیانند سرسوتی کی مانند پکا عقیدہ تھا کہ

सत्यं जयति नानृतं

صداقت کے سوا اور کسی چیز کی فتح نہیں ہوتی۔ اور اسی وجہ سے
آپ ہمیشہ کذب اور بطلان کی بیخ کنی پر آمادہ رہتے تھے۔

ان اخلاقی طاقتوں کے علاوہ آپ کی دماغی قوت بھی غضب
کی تھی۔ آپ کی طبیعت میں حیرت انگیز جولانی تھی۔ آپ نہایت اعلیٰ درجہ
کے لقار تھے اور

اثر لبھانے کا پیارے ترے بیاں میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو تیری زباں میں ہے

آپ پر بالکل صادق آتا تھا۔ الفاظ کی سادگی اور پر زور طریق
بیان کے لحاظ سے آپ اپنے وقت میں بے مثل تھے۔ آپ کو کئی زبانوں
پر کامل دسترس حاصل تھی اور آپ اپنے زمانہ کے ایک باکمال عالم تھے

آپ جیسے شاعر تھے ویسے ہی ناظم بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی مادری زبان میں کئی عمدہ نظمیں لکھی ہیں۔ موسیقی میں بھی آپ کو عمدہ مہارت تھی۔ اور آپ کا باہمی گفتگو کا طریقہ نہایت ہی من لبھانے والا تھا۔

ان سب غیر معمولی خصوصیتوں کے ساتھ ہی آپ کا شاندار چہرہ پرنور آنکھیں۔ بارعب آواز شامل ہوکر آپ کی پاک ہستی کو ایک ایسی غیر معمولی بزرگی دے دیتی تھی جو کہ سوائے خاص خاص خاصان خدا کے اور معمولی انسانوں میں نہیں پائی جاتی۔

آپ کا مزاج شاعرانہ تھا۔ اگرچہ آپ نے نظم بہت کم تحریر کی ہے۔ لیکن بسا اوقات تشبیہ اور استعارات کے استعمال سے آپ نے اپنی نثر ہی میں نظم کا لطف پیدا کر دیا ہے۔ آپ کی انشاپردازی اپنے رنگ میں لاثانی ہے۔ خطوط پر نادر تحریر کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اور آپ کے بہت سے احباب اپنے لئے ان خطوط کو دقت ضرورت پر رہنما خیال کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے ناظرین بھی جب ان کا مطالعہ کریں گے تو ان کی خوبی اور لطافت کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکیں گے ؛

سوامی جی کا پیغام

بھارت کے نام

بھارت کی آپ نے کیا خدمت کی۔ بھارت کے متعلق وہ کیسا خا(ص)

مشن تھا۔ جو کہ آپ نے پورا کیا۔ اس کا جواب ان ہی چند صفحات کے مطالعہ سے یہ مل سکتا ہے۔ کہ بھارت کی سب سے بڑی خدمت جو کہ ان سے پہلے کسی مذہبی رہنما نے ادا نہ کی تھی۔ یہ ہی کہ آپ نے غیر ملکوں اور غیر قوموں میں بھارت کو علم اور روشنی کا منبع ثابت کر دیا اور بھارت واسیوں کو غیر اقوام سے مذہبی اور دماغی دنیا کا لیڈر قبول کروا دیا۔ چنانچہ نیو یارک ہیرلڈ نے تحریر کیا تھا کہ

"پارلیمنٹ مذاہب میں بلا شک و شبہ سوامی وویکانند کی ہستی سب سے افضل ہے۔ اور آپ کی تقریر سن کر معاً دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس قوم میں ایسے ایسے عالم اور فاضل موجود ہیں وہاں عیسائی مشنری بائبل کی اشاعت کرنے کے بھیجنا کیسی سخت حماقت ہے"!!

ہندوستان کو سب سے اعلےٰ پیغام جو آپ نے پہنچایا وہ یہ تھا۔ کہ ہندوستان کا فرض تمام عالم کو روحانیت کی تعلیم دینا ہے زندگی کی سب سے بڑی علامت توسیع ہے۔ اور اس کے لئے ہمیں نیا ہندو ازم پیدا کرنا چاہیئے۔ جس کے پرچارک تمام دنیا میں جا کر اس پوتر دھرم کا پرچار کریں۔ اور تمام عالم کو روحانیت کی تعلیم دیں۔ اس مقصد میں تکمیل حاصل کرنے کے لئے ہمیں اپنی نامردی اور بے ہمتی کو چھوڑ دینا چاہئے۔ ہمیں باہری الفاظ پر اتنا غور نہیں کرنا چاہیئے۔ جتنا کہ ان کے اندرونی مطالب پر اور اس طرح پر ہمیں ہندوستان میں از سر نو وہ زندگی پھونک دینی چاہیئے۔ جو کہ گذشتہ زمانے میں یہاں پائی جاتی تھی۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کے مشن کی خصوصیت کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ حملہ۔ صرف مذہبی معنوں میں دوسرے مذاہب اور فرقوں نے ہندوستان میں اپنا اپنا روحانیت کا خیال لاکر پھیلایا۔ لیکن یہ راستہ ہمارا ہی کھولا ہوا ہے۔ بدھ دیو ایک فریق کا عقیدہ ہے کہ آریوں نے بدھ دیو سے بھی صدیوں پہلے دنیا کے ملکوں میں ویدک دھرم کی تلقین کی وقت میں ہم نے ہی سب بندشوں کو توڑ کر دنیا بھر میں پرچارک بھیجے۔ اور دنیا کو مختلف عقائد میں تعلیم دی۔ ہمارا طریقہ بڑا آسان ہے اس کا انحصار قومی زندگی کی دوبارہ پیدائش پر ہے۔ بدھ دیو نے تیاگ کی تعلیم دی ہندوستان نے اس تعلیم کو قبول کیا۔ چھٹی صدی میں وہ تیاگ کے اعلیٰ معراج پر پہنچ گیا۔ راشٹر بدستور قایم ہے آج بھارت کا قومی معراج تیاگ اور پراُپکار ہے۔ اسے ان راستوں پر ڈال دو اور کام پورا ہو جائے گا۔

آپ کا خیال تھا کہ جوں جوں ہندوستانیوں میں اپنی ہستی کا علم ترقی پاتا جائیگا۔ ان میں طاقت اور یگانگت آتی جائیگی۔ اور اگر ہندوستانی اپنی روحانیت کو قایم رکھتے ہوئے طاقت اور اتحاد کو حاصل کرلیں۔ تو وہ پھر دنیا بھر کی قوموں میں اپنے گمشدہ اعزاز اور کھوئے ہوئے رتبہ کو حاصل کر سکتے ہیں۔

یہی ان کا مشن تھا۔ یہی اُن کا اس مشن کی تکمیل کا راستہ تھا۔ اور یہی اُن کی زندگی سے سبق ملتا ہے۔ بھارت کے نوجوانو۔ اس آدرشی کی زندگی سے سبق لو۔ تیاگ اور پراُپکار اپنی زندگی کا اعلیٰ

مقصد سمجھو۔ پھر دیکھو گرا ہُوا بھارت کس طرح شیر کی مانند اٹھتا ہے۔ جہاں جاؤ خیال رکھو۔ کہ بھارت کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔ اور کوئی ایسا کام نہ کرو۔ جس سے بھارت بدنام ہو۔ پھر تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ دنیا تمہارے روبرو کھلی ہے۔ اور ہر قوم کے باشندے تمہیں عزت اور تعظیم کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ بھارت سنتان۔

جاؤ عالم میں پھیل جاؤ جاکر علم اور ہنر میں نام پاؤ جاکر
خوش خلقی سے کل جہاں کو بس میں کرلو بھارت کی یوں شان کو بڑھاؤ جاکر

حالت ہند کے متعلق

شریمان سوامی دویکانند کے نصیحت آموز خطوط

(۱)

میرے بہادر بچو! سوائے صبر پریم اور سچائی کے کچھ بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی کیا ہے؟ بالیدگی۔ نشو نما۔ تو یہی پریم۔ اس لئے پریم زندگی ہے۔ پریم زندگی کا قانون ہے۔ خودغرضی موت ہے اور یہ ایک سچائی ہے جو دنیا و عقبیٰ دونوں میں یکساں ہے نیکی کرنا زندگی اور نیکی نہ کرنا موت ہے۔ نوے فیصدی انسان وحشی مردہ ہیں کیونکہ ان میں پریم نہیں ہے۔ میرے بچو! غریبوں پر رحم کرو۔ جاہل

پائمال اور پاؤں سے کچلے ہوؤں کی حالت کو محسوس کرو۔ اس خیال کو اپنا
ندر دل میں جگہ دو کہ دل کی حرکت بند ہو جائے۔ دماغ چکر کھانے لگے
اور تم کو جنون ہونے کا خیال ہونے لگا۔ اور تب اپنے پریم کو پرماتما کے
چرنوں میں ارپن کرو۔ تم کو مدد کی طاقت و کام کرنے کی زبردست سرگرمی
عطا کیجائے گی۔ کشمکش کرنا۔ ہاتھ پاؤں مارنا۔ جدوجہد سے تعلق رکھنا
آج دس برس سے میری زندگی کا اصول رہا ہے۔ میں کہتا ہوں آپ بھی
جدوجہد کرو۔ میرے بچو! کسی کا خوف نہ کرو۔ اس ستاروں سے
مرصع سمانی خیمہ کو اس طرح خوف زدہ ہو کر مت دیکھو گویا
وہ تم کو کچل دے گا۔ صبر کرو۔ چند گھنٹوں کے بعد وہ سب کا سب
تمہارے پاؤں کے تلے آجائے گا۔ صبر کرو۔ نہ روپیہ کچھ مدد دے
سکتا ہے۔ نہ شہرت۔ نہ نام کچھ کام آتا ہے۔ نہ علمیت کام کی چیز
پریم ہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو وقت کی سنگین دیواروں کو
پاش پاش کر دیتی ہے۔

اب ہمارے سامنے یہ مضمون ہے۔ آزادی کے بغیر نشو و نما
محال ہے۔ ہمارے مورثوں و آباواجداد نے مذہبی خیالات کی
طرف سے آزادی بخشی مگر سوسائٹی کے پاؤں میں وہ زبردست
بیڑی ڈال دی کہ الامان۔ المختصر ہماری سوسائٹی خوف ناک شیطنت
اور مضر بن گئی ہے۔ مغرب میں سوسائٹی ہمیشہ سے آزاد ہے...
ان کی طرف نگاہ کرو۔ برعکس اس کے اب مذہب کو دیکھو۔
آزادی قوت بالیدگی کی پہلی شرط ہے جس طرح انسان کو سوچنے
یا بولنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اسی طرح جب تک وہ اوروں کو

کو اندرا نہیں دیتا۔ اس کو کھانے پہننے اور شادی کرنے کی آزادی ملنی چاہیئے۔

ہم مادی شائستگی کے برخلاف بیہودہ تقریریں کرتے ہیں اگر اس بیہودگی کو صحیح تسلیم بھی کرلیں تو بتاؤ تمہارے ملک میں کتنے ہزار مرد اور عورتیں ہیں۔ جن کی نسبت روحانی کہے جانے کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ اب کہو کیا ان کے روحانی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ تیس کروڑ آدمی وحشی۔ جاہل اور فاقہ کش بنائے جاویں؟ آخر وہ کیوں کتوں کی موت مریں؟ اگرچہ روحانی ڈھکوسلہ نہ ہوتا۔ تو کیا مسلمان ہندوؤں کو فتح کر سکتے؟ دوستو! یہ صرف مادی تہذیب کی ناواقفیت تھی جس نے تمہاری گردنوں کو غلامی کا طوق پہنایا۔ مادی ترقی کی ضرورت اس خیال سے اور بھی ہے تاکہ غریب۔ محتاج۔ مفلس۔ قلاش اور بھیک مرد ننگے رہئے روزگار پیدا کیا جائے۔ روٹی! روٹی!! روٹی!!! میں ایشور پر کبھی ایمان نہ لاؤں گا۔ جو مجھ کو یہاں اس دنیا میں روٹی نہیں دیتا۔ اور عقبےٰ میں جاودانی راحت عطا کرنے کی امید دلاتا ہے! واہ! کیا کہنا ہے!! میرے بچو! تمہیں ہندوستان کو اٹھانا۔ اس کے محتاجوں کو روٹی دینا۔ تعلیم پھیلانا۔ اور پجاریوں کے ناپاک متعفن اور غلیظ نکر کو پاؤں سے کچل ڈالنا ہے پجاری پن کی ضرورت نہیں۔ سوشیلی غلامی کی ضرورت نہیں زیادہ روٹیاں درکار ہیں۔ اور ہر شخص کو ترقی کرنے کا موقعہ ملنا چاہیئے۔ وہ مرد کبھی آزادی کا مستحق نہیں ہے۔ جو دوسروں کو آزادی دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

غلام چاہتے ہیں کہ دوسروں کے غلام بنانے کے لیئے ان کو اختیارات ملیں قدیم مذہب کے پوجاری پنے کی بڑ اکھیڑ کر پھینک دو اور دنیا میں تم کو سب سے اعلےٰ مذہب ملے گا۔ کیا ہندوستان میں ایسا مذہب ممکن نہیں ہے۔ جس کی سوسائٹی مغربی اصول پہ ہو۔ میں اس کو ممکن سمجھتا ہوں اور ایسا ضرور ہو سکتا ہے۔

آگ لو۔ اور ہر جگہ پھیلا دو۔ کام کرو۔ کام کرو۔ لوگوں کی سرداری و پیشوائی میں اُن کے غلام کی طرح بنو۔ خود غرضی کو کبھی پاس نہ بھٹکنے پاوے اور یاد رکھو ایسے دوست کی بات کبھی نہ سنو جو پیٹھ پیچھے دوسرے کی مذمت کرتا ہے۔

کام! کام!! کام!!! کیونکہ دوسروں کی بھلائی کے لیئے کام کرنا زندگی ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ ریاکاری نہ ہو! بدمعاشی نہ ہو!! پوجاریوں کی دھوکہ بازیاں نہ ہوں!!! میرا ایشور اور سچائی پہ اسی طرح انحصار رہتا ہے۔ جیسے روز روشن پہ۔

تصوف کے مشتبہ راز۔ مذہب کی خفیہ چالبازیاں۔ روحانی ڈھکوسلوں کے مغالطوں کا ستیاناس ہو جائے۔ کوئی کام چھپ کر کیا جاوے۔ کسی چیلے پہ خاص قسم کی مہربانی کا اظہار نہ ہو۔ گئی قوم کی بیہودہ باتیں دنیا میں رہنے پاویں۔ میرے پیارے بچو! جو قدم بڑھے آگے، پیچھے قدم مت ہٹاؤ۔ آگے بڑھو۔ روپیہ ہو خواہ نہ ہو مرد عورت ساتھ دیں خواہ نہ دیں! کیا تم میں پریم ہے؟ کیا تمہارا ایشور ہے؟ اے، کبھی نہ پیٹھ دکھانے والے بہادرو چلے چلو۔ میدان کو مار لو۔

ہوشیار ہو جاؤ۔ جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو۔ سچائی کو مضبوطی
سے پکڑو۔ دیر چاہے لگ جائے مگر کامیابی یقینی ہے اس طرح کام
کرو گویا تمہیں خود ہی چھو نہیں گئی ہے۔ پچاس صدیوں کی نگاہ تمہاری
طرف لگی ہوئی ہے۔ اور ہندوستان کی آئندہ بھلائی کا انحصار خاص
تمہارے اوپر ہے۔ کام کا میدان نہایت وسیع ہے میں جانتا ہوں
خبر نہیں ہے کب تمہارے درمیان آؤں۔ ہندوستان میں تعریف
کرنے والے بہت ہیں۔ مگر ساتھ دینے والے نہیں۔ بھکھ منگے!
یہ کیا دے سکتے ہیں!! دو ہزار برس سے زیادہ ہوئے ہیں اور عام
کا کام کرنے کی عادت ان سے دور ہو گئی۔ اب کچھ ان میں قومیت
و بیباک کی اصطلاح سمجھنے کی طاقت پیدا ہو رہی ہے۔ پس ان
کی کیا شکایت کی جائے۔

(آشیرباد۔ تمہارا دویکانند)

(۲)

پیارے ... بوسٹن شہر کے قریب ایک دن ہم نے
ڈاکٹر رائٹ صاحب یونانی زبان کے پروفیسر سے ملاقات پیدا کی
وہ مجھ سے ہمدردی سے پیش آئے۔ مجھ سے مذہبی پارلیمنٹ میں
تقریر کرنے کی درخواست کی۔ صبح کے وقت پارلیمنٹ کا آغاز ہوا
ہر مذہب و ملت کے لوگ موجود تھے۔ ہندوستان سے برہمو
جینی۔ تھیاسوفسٹ گئے ہوئے تھے۔ یہ سب میرے نام سے
واقف تھے بڑی بھیڑ تھی چھ سات ہزار عالم دماغ آدمیوں کا

مجمع دنیا کی قوموں و مذہبوں کے وکیلوں کی جمگھٹ۔ کہیں تھوڑا ہی تھا۔ میں نے کبھی پبلک میں تقریر نہیں کی تھی۔ سومانو نے بھجن اور مسرت بخش گیتوں کے ساتھ پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوا ایک کے بعد دیگرے تقریر کرنے والے پلیٹ فارم پر آئے دھواں دھار تقریریں شروع ہوئیں۔ کہ باید و شاید میرا دل دھڑ دھڑا رہا تھا حلق خشک زبان کانٹا بن گئی تھی سب اپنی اپنی تقریر تیار کر کے لائے تھے۔ آخر ڈاکٹر بلاور صاحب (پریسیڈنٹ) نے مجھے پیش کیا۔ میری تقریر مختصر تھی۔ جونہی میں نے کھڑے ہو کر کہا۔ امریکا کے بہنو اور بھائیو!" چاروں طرف سے خوشی کا نعرہ بلند ہوا۔ آہستہ آہستہ میں نے اپنی مافی الضمیر کا اظہار کیا۔ اور آخر میں بیٹھ گیا۔ دوسرے دن امریکا میں بچہ بچہ مجھے جان گیا۔ ایک سنسکرت شاعر کہہ گیا ہے

"گونگے کو بھی فصیح بنا دیتا ہے۔ اخبار والوں نے میری تعریفیں میں کالم کے کالم سیاہ کیے۔ اور سب نے متفق اللسان ہو کر کہا۔ کہ سارے مجمع میں میری شخصیت خاص قسم کی وقعت و کشش رکھتی تھی"

امریکہ بہت اچھا ملک ہے۔ لوگ مہربان مزاج ہیں ان میں بھی نقص ضرور ہیں۔ مگر بہت زیادہ آزادی پسند۔ نیک خصلت اور عقیل ہیں۔ یہ تو تمام دنیا کی کوئی سی قوم نقص سے بری ہے۔ ہاں ایشیا کو شائستگی سکھانے کا ناز ہے۔ اور یورپ نے انسان کو مہذب بنایا۔ مگر امریکہ عام آدمیوں کو نشوونمائے

رہا ہے! یہاں عورت و مرد محنتی مزدور سب فہیم و سمجھدار ہیں۔
اور ہمارے خیالات کو جلد قبول کر لیتے ہیں۔

ہندوؤں کو اپنے مذہب کو خیرباد کہنے کی ضرورت نہیں ہے مگر سوسائٹی کو اس قدر آزادی ملنی چاہیے۔ کہ اس کی بالیدگی میں خلل واقع نہ ہو ہندوستان کے ریفارمروں نے سخت غلطی کی سب نے ایک سرے سے ذات پات کو گلے کا ہار سمجھ کر اسی کے دور کرنے کی کوشش کی بدء سے لیکر رام موہن رائے تک سب نے غلطی سے ذات کے ڈھکوسلے کو مذہبی انسٹیٹیوشن سمجھا۔ اس کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑنے کی کوشش کی اور ناکامیاب ہوئے۔ تاہم پجاریوں کے الم غلم بکواس کے باوجود ذات پات صرف ایک سوشیل ترتیب ہے اس لیئے زیادہ اس کی وقعت نہیں ہے۔ کسی زمانہ میں اس نے اپنا کام کیا ہوگا۔ اب اس کے ناپاک متعفن۔ غلیظ اور مکروہ سڑاندہ سے دماغ کے پرخچے پھٹے جا رہے ہیں۔ اس کی اصلاح صرف اس وقت ممکن ہے جب تم انسان کو اس کی سوشیل فردیت عطا کرو۔ یہاں ہر شخص جانتا ہے کہ میں انسان ہوں۔ اور بہ حیثیت انسان میرے کچھ حقوق بھی ہیں۔ ہندوستان میں برعکس اس کے لوگ سوسائٹی کے غلام ہیں ان کی نکمیں سوسائٹی کے ہاتھ ہے تعلیم پا کر بھی وہ کمردہ سوشیل دائرہ کی انحرافی میں اپنی بے حرمتی سمجھتے ہیں۔ ناک کٹ گئی۔ آبرو میں بٹہ آگیا۔ منہ کی آب جاتی رہی۔ یہ اصطلاحات ہمیشہ زبان پر رہتے ہیں۔ مگر ان سے کوئی پوچھے بھی تو سہی کہ ارے انسانیت کے نام پر دھبے ڈھنگ خلائق! تمہاری ناک پہلے بھی کہاں تھی۔ تم میں

آب و آبرو ننگ کا پتہ کہاں ہے؟ پشت ہا پشت کے پوجاریوں کی غلامی نے تم کو بدتر از بہائم۔ بدتر از حشرات الارض و بدتر از بے جان بنا دیا۔ ہاتھ میں ہتھکڑی۔ پاؤں میں بیڑی گلے میں طوق پیٹھ پر پالان و منہ میں لگام دیئے ہوئے تم پالتو جانوروں کی طرح حرکتیں کرتے ہو اور نام کو بھی تم میں اخلاقی جرأت چھو نہیں گئی ہے۔

آزادی نخوت بالیدگی کی لازمی شرط ہے۔ اس کو چاہیں تو ہاتھ پاؤں میں زنجیر ڈال دو۔ وہیں سے خرابی۔ مردنی۔ ناپاکی۔ بیجا تکبر۔ نامناسب حسد باہمی بغض۔ چھوت چھات۔ اونچے نیچے کا ناپاک خیال پیدا ہونے لگے گا۔ ذرا دیکھو موجودہ مقابلہ کی زندگی میں اس غلیظ ذات پات کا ڈھکوسلا کس طرح آپ ہی آپ نظر سے اوجھل ہوا جا رہا ہے۔ گن۔ کرم۔ سبھاؤ عملاً۔ اپنا کرشمہ۔ دکھانے لگ گئے ہیں۔ کیا اس ناپاک موذی کے ہاتھ کو بھی کسی نئے مذہب کی ضرورت ہے! شمالی ہند میں جا کر دیکھو۔ برہمن و دکاندار موچی۔ شراب فروش۔ مزدور اور خدمتگار ملیں گے اور یہ ریل پیل ہے؟ وجہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر محکمہ میں مقابلہ ہے موجودہ گورنمنٹ کے عہد میں کوئی کسی کو اپنے فطرتی قابلیت کے موافق معاش پیدا کرنے سے روک نہیں سکتا۔ نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ جدوجہد میں شانہ سے شانہ چھلا جاتا ہے۔ کسی کو کوئی کام کرنے کی ممانعت نہیں ملتا ہے۔ جن کو قدرتی طور پر ذہانت عطا ہوتی ہے وہ نیچے کی تہ میں رہنے کے عوض اوپر چڑھے چلے آ رہے ہیں۔ جو علم و عقل و دماغ سے خالی ہیں۔ تلچھٹ کی طرح بیٹھے جاتے ہیں۔

کام کرو! کام کرو! کام کرو!!! ایشور کا ہاتھ تمہارے سر پر ہو وہ

تمہارے ساتھ ہوگا۔ میں بھی یہاں کچھ دن اور رہوں گا۔ ایشور میرے ساتھ ہے میں اس کا کام کر رہا ہوں۔ اور جب تک جیوں گا کرتا رہوں گا۔

ہم پر فرض ہے کہ کام میں رہیں۔ ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ چُپ چاپ بیٹھ رہیں دیکھا اور دوسرے سے زبان سے کہو۔ عام ہندوستانیوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں۔ عامہ خلائق کے سر پر پاؤں دھرے کھڑا ہونا اور غریب محتاجوں کی گردن کو مروڑتے رہنا انسانیت نہیں ہے۔ جوان بیکسوں کے اٹھانے میں مدد نہیں دیتے وہ انسان نہیں ہیں۔ بے خوف بن جاؤ۔ ایشور مدد کرے گا۔ وہ ہندوستان کی کروڑ ہا فاقہ کش اور پاؤں سے کچلی ہوئی مخلوق کو اٹھائے بغیر نہ رہے گا۔ یہاں کی ریل کے مزدور ہندوستان کے شہزادوں سے بڑے بڑے آدمیوں سے بھی بدرجہا زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ امریکہ کی ہر عورت اس قدر پڑھی لکھی ہوتی ہے جس کا اندازہ ہماری عورتیں نہیں کر سکتیں۔ کیا وجہ ہے ہماری عورتوں کو بھی یہی ضروری تعلیم نہ ملے؟ ضرور ملنی چاہیئے۔

کبھی مت سوچو کہ ہم غریب ہیں طاقت روپیہ میں نہیں بلکہ نیکی اور تقدیس میں ہے آؤ۔ اور دیکھو دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

"آپ کا وویکانند"

۳

پیارے! مجھ کو ۔ ۔ ۔ کا خط مل گیا تھا۔ میرے پاس اُن کے

اس سوال کا کہ" ذات پات رہے یا جائے" کوئی جواب نہیں ہے میرا خیال یہ ہے کہ غریب سے غریب اور ذلیل سے رذیل ہندوستانی کے دروازہ تک بھی اُن نیک و شریف خیالات کو پہنچا دیا جائے جنہوں نے ہندوستان کے اندر و باہر بنی نوع انسان کو نشو و نما کا موقعہ دیا ہے اور ان کو موقع دیا جائے۔ کہ وہ اپنے لئے خود ضروری و مفید باتوں کو سوچنے سمجھنے لگیں۔ ذات پات کا ہونا یا نہ ہونا۔ عورتوں کی کامل آزادی یا غیر آزادی۔ ان سب باتوں کا مجھ سے تعلق نہیں ہے۔ زندگی کی بالیدگی اور نشو و نما کی لازمی شرط صرف خیال اور فعل کی آزادی ہے۔ جہاں یہ نہیں ہے۔ وہاں انسان نسل اور قوم سب تحت الثریٰ کو چلے جائیں گے۔ اوران کے ابھارنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے

ذات یا غیر ذات پنتھ یا غیر پنتھ آدمی فرقہ۔ قوم۔ جماعت یا انسٹی ٹیوشن جو کچھ۔ افراد کے خیال و فعل کی آزادی میں سد راہ ہے شیطنت اور دھوکہ ہے۔ اس کی بیخکنی ہی مناسب و واجب ہے۔

ہیری زندگی کی اصلی تمنا یہ ہے۔ کہ اس قسم کے انجن کو حرکت دیجائے۔ کہ اچھے خیالات ہر کس و ناکس تک پہنچا دیئے جائیں۔ اور مرد و عورت خود اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کرلیں۔ اُن کو موقعہ دو۔ وہ سوچ سکیں کہ ہمارے آباؤ اجداد نیز دوسری قوموں نے ہماری زندگی کے متعلق سوالات کو کس طرح پر حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہیں خاص کر اسپات کے دیکھنے کا موقعہ ملنا چاہئے کہ آجکل دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں۔ اور تب وہ فیصلہ کرسکیں گے۔ ہم کو صرف کیمیائی اجزا کے اکٹھا کر دینے کی ضرورت ہے۔ قدرت اپنے آئین و قانون سے

بموجب خود ان کی ترتیب و ترکیب کرے گی۔ سخت محنت سے کام کرو۔ ثابت قدم و مستقل مزاج بنو اور البشوہ پیو شواس رکھو۔ کام کا آغاز کردو۔ میں جلد یا دیر میں آجاؤں گا۔ مگر اس اصول کو اپنی نگاہ کے سامنے رکھو۔ کہ عوام الناس کی ترقی مذہب کو صدمہ پہنچائے بغیر کی جائے گی۔"

یاد رکھو۔ قوم جھونپڑے میں رہتی ہے۔ لیکن افسوس! اس کے لئے کسی نے کچھ نہیں کیا۔ ہمارے موجودہ ریفارمر ازدواج بیوگان کے متعلق اس قدر شور و شر مچا رہے ہیں۔ میں ہر قسم کی اصلاح سے ہمدردی رکھتا ہوں۔ اصلاح ضرور ہونی چاہئے۔ لیکن وہ غلطی کر رہے ہیں۔ قوم کی بہتری صرف بیوگان کے شوہر بہم پہنچانے پر منحصر نہیں ہے۔ اس کا دارو مدار صرف عام ہندوستانیوں کی بہتر حالت پر ہے۔ کیا تم ان گرے ہوؤں کو اٹھا سکتے ہو؟ ان کی روحانی خصوصیتوں کے زوال پہنچائے بغیر کیا تم ان کو شخصی حریت عطا کر سکتے ہو؟ کیا ممکن ہے کہ تم مغربی قوموں کے اوصاف اپنے میں جذب کر لو۔ اور پھر چوٹی سے لے کر انگوٹھے تک ہندو ہی بنے رہو۔ اور تمہاری قومی و مذہبی خصوصیتوں کو نقصان نہ پہنچے؟ اسی ایک بات کی ضرورت ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اے ہمت مرداں مدد خدا ہم اس کو کر کے چھوڑیں گے۔ ہم تم سب اسی کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں صرف اپنے قوت بازو پر بھروسہ رکھو۔ قوت ارادی عزم کی پختگی خواہش کی مضبوطی تمام بڑے بڑے کاموں کی ماتائیں ہیں۔ ہمیشہ آگے بڑھے چلو اور ہمت سے کام لو۔ استقلال کو پیشوا بناؤ۔

غریب پاؤں سے کچلے ہوئے بے بسی کی موت تک
پہنچے ہوؤں کی ہمدردی یہی ہمارا مشن ہے۔
بہادر بچو! بڑھے چلو۔
ہاں پیارو! کارزار میں آگے بڑھے چلو
میدان امتحان میں آگے بڑھے چلو
ہمت کے کاروبار میں آگے بڑھے چلو
جھجکو نہ تم ہزاروں میں آگے بڑھے چلو
تیرا لباس تن کے مارو کہ تاریکی دور ہو
ہر سمت روشنی ہو۔ اجالا ہو نور ہو
تمہاری محبت کا دل بھرنے والا)
وویکانند

(۴)

پیارے۔

یہ سچ ہے تم کو ان سمجھ آدمیوں سے پالا پڑا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارنے کو تیار رہتے ہیں۔ ہزاروں برس سے ان کی عادات و حرکات میں فرق آگیا ہے۔ لیکن کیا تم ان کو چھوڑ دو گے؟ کیسے ممکن ہے؟ یاد رکھو۔ تم کو انہیں کے درمیان رہنا ہے۔ انہیں میں برتنا ہے۔ انہیں کو اٹھا کر کھڑا کر دینا ہے اس لئے چارہ ناچار تم کو ان کے ساتھ رہ کر سوتے ہوؤں کو بیدار کرنا ہوگا اور ان میں مل جل کر رہنا ہوگا۔

با ہمیں مردماں بباید ساخت

اگر ہم سوتے نہ ہوتے تو پھر جگانے والوں کی کیا ضرورت پڑتی؟ ان کی بلکہ خود ہماری حالت قابل رحم ہے۔ سوچو۔ تمہارے کام کرنے کا میدان کیسا فراخ اور کس قدر وسیع ہے۔ تمہاری ہمت کی گھوڑ دوڑ کے لیے کیسی کشادہ زمین حاصل ہے۔ اپنے دل میں محبت اور پریم کو جگہ دو اور غافل سست و کاہل الوجودوں کی خبرگیری میں اپنا وقت اور ان کا وقت نہ ضائع کرو۔ کشتی منجدھار میں ہے۔ سمندر لہریں لے رہا ہے طوفان زوروں پہ ہے آگے خوفناک ٹکرانے والا چٹان موجود ہے۔ لہریں کشتی کو اس کے قریب لئے جا رہی ہیں۔ وہ دیکھو خوفناک چٹان نظر آ رہا ہے۔ غفلت کی نیند میں سوئے ہوؤں کو یہ کہنے کا وقت نہیں رہا کہ:۔

"اینہا چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند"

تم جھٹ پٹ چست و چالاک بن جاؤ۔ سہولیت و پریم کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑ کر بیدار کر دو۔ لیکن محتاط رہو۔ ان کے کروٹ کے بدلنے سے کہیں کشتی نہ الٹ جائے ورنہ بیٹنے کے دینے پڑ جائینگے۔ اگر ان کی آنکھیں کھلی ہیں۔ تو چٹان کی ہیبت ناک شکل دکھلا دو۔ ورنہ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے کشتی کو صاف بچا لیجاؤ۔ تاکہ وہ خطرہ سے نکل جائے موجودہ حالت میں تمہارا فرض ہے۔ تم اسی لئے پیدا ہوئے ہو۔ اپنا فرض سمجھو۔ اپنوں پہ لعن و طعن کرکے ان کا اور اپنا نقصان نہ کرو۔ منقد ضائع وقت دیکھو کہ اس سے کام لو۔ علم و عمل کو اپنا پیشوا بناؤ۔ تم راہ پہ چل پڑو اور لوگ خود بخود تمہاری پیروی کرنے لگیں گے۔ اور تم کو فتح و

کامیابی حاصل ہوگی۔ اگر برخلاف اس کے فضول بک بک میں پڑ کر لڑتے رہوگے۔ تو کچھ کرتے دھرتے نہ بنیگا۔ اور یقینی بربادی خوفناک نگاہ سے گھورتی ہوئی تم کو دبوچ لے گی۔ اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔ کہ اوروں کے بچانے میں تم اپنے آپ کو بھی بچا رہے ہو کیونکہ

اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے
بچوگے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے

اس لئے ہوشیار ہو جاؤ۔ کام کا وقت آپہنچا ہے۔ ہاتھ سے ہاتھ ملاؤ۔ اور آتما کو آتما سے لگاؤ۔ ہر شخص کو اس طرح سمجھ کر جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا تم اپنی مکتی چاہتے ہو؟ مکتی کے لئے ہر شخص کو خود محنت کرنا چاہئے۔ مکتی کے راہ میں قدم بڑھانا اعلےٰ مقصد کا حصول ہے۔ آزادی و نجات کی کوشش میں جسمانی و دماغی اور روحانی ترقی کرنا۔ اور دوسروں کو بھی اسی تگ و دو میں شریک رکھنا۔ انسان کے بڑے سب سے قیمتی انعام ہے۔ سوشیل رسم و رواج اس ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ وہ مضر ہیں۔ ان کے برباد کرنے کے ذرائع سوچنے چاہئیں جن باتوں سے آزادی کی منزل میں مفاد اور نفع کے حصول کی امید ہے انہیں کے رائج کرنے میں دیر کا خیال فضول ہے۔

کام کرنے کا وقت ہمیشہ ہے۔ یہ مت کہو وقت آئے گا۔ تو دیکھ لیا جائے گا۔ نہیں وقت کو تم خود کھینچ کر لاسکتے ہو۔ یہ بھی مت کہو کہ ایشور آپ ایسا کریں گے۔ یہ سچ ہے۔ ایشور کی مدد کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا مگر جب تک انسان خود کام نہیں کرتا۔ یہ مدد نہیں مل سکتی۔ اور ملے بھی کیسے؟

اس واسطے ایشور پر بھروسہ رکھکر کام میں مصروف ہو جاؤ کیونکہ اب آپ کی قوم کی حالت بہت ہی خراب ہے۔

منہ زرد ہونٹھ خشک ہیں سوکھی زبان ہے
جلدی کرو علاج کہ تھوڑی سی جان ہے

(تمہارا وویکانند)

۵

پیارے

تمہارے سوال کے جواب میں کیا لکھوں۔ اس قدر تو تم خود سمجھ سکتے ہو کہ وقتاً فوقتاً نئی نئی سمرتیوں کا اجرا و سوشیل رواجوں کی ترمیم و تنسیخ ہمیشہ تقاضائے وقت کے لحاظ سے ہوتی رہی ہے کبھی یاگیہ۔ بلکھہ کے قانوں پر عملدرآمد ہوتا تھا۔ کبھی پاراشر کبھی نارد کی سمرتی کا رواج تھا۔ کبھی منو کا اسی ایک بات سے سمجھ لو۔ جب جیسا وقت آیا۔ اسی کے موافق رشیوں نے مناسب مصلحت وقت و ضروری قانوں جاری کئے۔ ان سب باتوں کو دھرم سے ضرور تعلق ہے۔ کیونکہ شاستروں کے بنانیوالے دھرماتما دیندار۔ قانوں قدرت کے جاننے والے ویدک اصولوں کے ماہر اور ظاہری و باطنی علوم سے واقفکار تھے۔ مگر اب سوال یہ ہے۔ موجودہ حالت میں لوگ دھرم کو کیا سمجھ رہے ہیں۔ کاش اگر ان میں کبھی سمجھ ہوتی تو آج یہ دکھڑا کیوں رونا پڑتا!

اس دھرم کے سمجھانے اور عوام کو دھرم کے راستہ پر لانے کے لئے

صرف ایک عملی اور ضروری نسخہ ہے۔ اس کا استعمال کراؤ اور وقت پر سب دھرماتما بننگے۔ ان کی آنکھیں کھولدو۔ ان کے دل کو فراخ اور وسیع بناؤ۔ ان کے دل و دماغ کے اندر سے تاریکی دور کرنے کا سامان پیدا کرو چمکتی ہوئی شفاف و روشن شمع کے جلانے کا اہتمام کرو۔ پھر دیکھو وہ کس طرح دھرم کو سمجھنے لگتے ہیں۔ جب تک اندھکار ہے تب تک دھرم کی نہیں۔ جب تک گیان نہیں۔ تب تک دھرم نہیں۔ ہم میں ایسے پروانے ہیں جو شمع کو جلنے نہ دینگے۔ آپ چاہے اس میں جھلس کر مرجائیں مگر وہ ٹکر اس کے گل کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اس کی کچھ پروا نہیں۔ یہ خود غرض۔ تاریکی پسند۔ قوم کا خون چوسنے والے آخر کب تک کشمکش کر سکیں گے۔ تم جلدی کرو۔ چراغ جلادو۔ اندھیرا دور ہو جائے ترقی و اصلاح کا سلسلہ جاری ہو۔ اور گھروں۔ جھونپڑوں گاؤں شہر و جنگلوں میں کوئی ایسی جگہ نہ رہنے پاوے جہاں علم و ہنر کا چرچا نہ ہو۔ پھر دھرم کرم آپ ہی سب سدھر جائے گا۔ اور اس قدر بک بک کی احتیاج نہ رہے گی۔ جب تک روشنی نہیں ہے۔ کوئی کسی کی نہیں سنیگا اور سننے بھی کیسے لگا ہے ہاتھ کو ہاتھ سوجھتا نہیں۔ اندھوں کی طرح ٹٹول رہے ہیں قدم قدم پر ٹھوکر کھانے کا خوف ہے۔ یہ حالت کبھی پسندیدہ نہیں ہے۔ اگر یورپ کی ترقی کا سبب علم کی اشاعت ہے۔ اگر امریکہ کی اقبالمندی کی بنیاد علم پہ ہے۔ اگر جاپان کے موجودہ عروج کا باعث علم ہے تو وہی علم تم کو بھی فروغ دینے والا ثابت ہوگا۔ ہندوستان کا ایک ایک رہنے والا تمہارا بھائی ہے۔ تمہارے پیار و محبت کا مستحق ہے۔ سوسائیٹی کے متفقہ رشتہ کے یہ سب ضروری دھاگے ہیں۔ رشتہ کی مضبوطی ایک

ایک دھاگوں کی مضبوطی پر منحصر ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی حقارت
سے مت دیکھو۔

اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کو بھول جاؤ۔ سوسائٹی کے نفع کی غرض سے کام کرو۔ اپنے آپ کو اسی فرض کے لئے قربان کردو۔ لوگوں کے قول فعل اور خیال کی آزادی میں اس وقت تک کبھی مخل نہ بنو۔ جب تک سوسائٹی کو ضرر یا خطرہ کا اندیشہ نہیں ہے۔ اور یہ قول فعل اور خیال کی آزادی تمہاری قوم کے پھر جنم کا باعث اور مددگار ہوگی۔ یہی تمہارے لئے اصلی مکتی کا دروازہ کھول دے گی۔ اور آہا! وہ وقت بھی کیسا ہوگا۔ جب ایک امید۔ ایک تمنا۔ ایک خوشی۔ ایک حوصلہ۔ اور ایک خواہش۔ ہم سب کو ایک ہی مرکز یا ایک ہی منزل اور ایک ہی مقصد کی طرف رجوع رکھے گی۔ اس وقت ایک ایک کی سمجھ میں دھرم کی اہمیت آجائے گی۔ سب دھاگے ایک بن جائیں گے۔ اور وہ اصلی زندگی کا مقصد جو ایک اور ہر ایک میں سکہ کاری ہے ہم سے کبھی علیحدہ نہ رہے گا۔ دل میں اس حالت کی زبردست خواہش پیدا کرو۔ اندرونی امنگ کبھی جھکنے نہ پائے۔ یہ خواہش نشو و نما پاکر ایک عجیب قوت بن جائے گی۔ اور وہ لوگوں کو خودبخود تمہارے پاس کھینچ لاویگی جو اسی تمنا کے دلدادہ ہیں۔ اور جب یہ ساری بکھری ہوئی قوتیں ایک میں گتھ جائے گی۔ پھر کیا کسی خاص مفرد اور متحد طاقت کو مقابلہ کرنے کی جرأت ہو سکے گی! کبھی نہیں۔ اس لئے میری دانست میں علم کا دروازہ ہر کس و ناکس کے لئے کھولدو۔ اور اسی ایک کوشش میں تم اپنے سوال کا جواب خودبخود پاؤ گے۔ اے پیارے! بھارت کو جو کچھ دکھ مل رہا ہے وہ صرف اودیا کی وجہ سے ہے۔ جنہوں نے خودغرضی کے دام میں پھنسکر اس

اور یا کے جاری رہ کہنے کا اہتمام کیا۔ انھوں نے خودکشی کا بہت برا سبق سکھلایا۔ اب تم سب ملکر اس غلطی کی اصلاح کی کوشش کرو۔ اور اس کو مبارک سمجھکر اسی میں تن من سے لگ جاؤ۔ ایشور تمہاری مدد کرے گا۔ دیوتا تم کو آشیرباد دیں گے۔ اور تم اپنا کام کر جاؤ گے۔ یہ نہ سمجھو ہم اکیلے ہیں۔ ایشور تمہارے ساتھ ہے۔

مشکل کو حق کے فضل سے آسان سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں

(تمہارا وویکانند)

۶

پیارے میں تمہارے سادہ سوال کا کیا جواب دوں۔ تم خود جانتے ہو۔ میں کیا کہوں گا۔ تم پوچھتے ہو کہ سنسکرت کی تعلیم ہندوستان کے لئے مفید ہوگی۔ یا انگریزی۔ کی سوال نہایت ضروری ہے۔ اور ہماری قومی زندگی کے قایم رہنے کے لئے اس سے زیادہ شاید ہی کوئی سوال اور اس کا حل مفید و کارآمد ہوگا۔ تم آج یہ سوال کر رہے ہو۔ مگر زمانہ عرصہ دراز سے آپ ہی آپ اس کے حل کرنے کی طرف مایل ہے یہ نیا سوال نہیں ہے راجہ رام موہن رائے کے دل میں بھی کسی وقت یہ سوال پیدا ہوا تھا۔ اور جس وقت ہندوستان کی تعلیم کے مسئلہ پر ہمارے انگریزی فرمانروا بحث کرنے لگے۔ اس وقت لفظ لفظ پر غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہوا جو تم آج دیکھ رہے ہو۔ لارڈ میکالے نے

باآواز بلند سب کو سنا کر کہدیا کہ محض قدیم تعلیم سے مشرقی قوموں کا
ابھرنا غیر ممکن ۔ اور امر محال ہے اور اس وقت سے آجتک گورنمنٹ
تعلیم نے اسی مقصد کو نگاہ کے سامنے رکھا ہے۔ کلکتہ میں عربی کا مدرسہ اور
سنسکرت کالج دونوں قائم کئے گئے ۔ دونوں نے کسی حد تک اپنا کام
کیا۔ مگر ضرورت زمانہ کے تبدیل کرنے کی قابلیت اور طاقت ان میں نہیں
تھی ۔ یا اگر تھی تو اس قدر کہ وہ مردوں میں زندگی پیدا کرنے کے لئے
ناکافی تھی ۔ اور اس لئے یہ امید کرنا کہ اس مقابلہ کی حالت میں جبکہ دنیا
کی قومیں اس قدر روٹی کے لئے کشمکش کر رہی ہیں ۔ اکیلی سنسکرت
کی تعلیم تم کو کسی قابل بنا دے گی ۔ میں ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں
اس میں کس کو شک ہے کہ ہمارے بزرگوار علم روحانی کا بہت بڑا ذخیرہ ہمارے
لئے چھوڑ گئے ہیں ۔ ہماری خود زندگی انہیں کے طرز عمل اور طرز خیال کے
سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے ۔ مگر اس کے ساتھ اس بات کے بھی دیکھنے سوچنے
سمجھنے اور اس پر کاربند ہونے کی سخت ضرورت ہے کہ ہمارے اردگرد کیا
ہو رہا ہے۔ دنیا میں قومیں کس طرح بن رہی ہیں ۔ کس طرح بگڑ رہی ہیں کون
کامیاب ہے ۔ کون ناکامیاب کس میں جینے کی طاقت ہے ۔ اور کون جان بلب ہے
اور کس طرح کے خیالات اور مسایل آجکل انسان کے دل و دماغ میں سمائے
ہوئے ہیں ۔ اگر یہ باتیں قدیم تعلیم سے حاصل ہو سکتی ہیں تو سب سے
پہلے میں ہی کہنے کے لئے تیار ہو جاونگا ۔ کہ مغربی علوم و فنون کو ہاتھ
مت لگاؤ ۔ اگر تم جانتے ہو کہ باوجود قناعت پسند ہونے کے بھی تم کو
خوشی یا ناخوشی سے مغربی خیالات کے زیر اثر آنا ہی پڑے گا ۔ اگر اس کو
جذب کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو یاد رکھو ۔ پامالی نتیجہ ہوگا ۔ ہماری قومی

حیثیت ہی نہیں رہی۔ قدیم قوموں میں سے تم چین ہی کو نہ دیکھو جس نے
موجودہ علوم و فنون کی نفرت کا کیسا خمیازہ اٹھایا ہے برعکس اس کے جاپان
نے کیا کچھ کر دکھایا ہے۔ جاپان کی ترقی نہایت تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے
پچیس تیس برس کا زمانہ۔ اور یہ عجیب و غریب ترقی۔ تم جاپان کی مثال
کو اپنی نگاہ کے سامنے رکھو۔ جاپان میں ایشیائی شان موجود ہے۔ مگر
اس نے یورپ کی ترقی کا کیسا فائدہ اٹھایا۔ جاپان میں اب بھی وہی
ایشیائی خیال وہی نروان کی تعلیم وہی اصلی خوبصورتی سب کچھ موجود
ہے۔ مگر کون سے قابل تعریف مغربی اوصاف ہیں جو ان میں نہیں ہیں
یقین کرو بعض بعض باتوں میں تو وہ یورپ سے بھی بڑھا چڑھا ہوا
ہے۔ اور شاگرد کہلاتے ہوئے بھی استادی کا دم بھرتا ہے۔ چین عکس
اس کے بالکل گیا گزرا نظر آتا ہے۔ تم بھی اس مثال سے فائدہ اٹھانے
کی کوشش کرو۔ یاد رکھو۔ علم و تہذیب کے سیکھنے میں جو شخص تنگ خیال
بنے گا۔ وہ کبھی انسانیت کے معراج پر نہیں پہنچ سکیگا۔ علم کو ہر کسی
سے لینا چاہیئے۔ تم ویدوں کو پڑھو۔ شاستروں کے اصول پر کاربند
ہونے کی تدبیریں۔ سوچو۔ جن روحانی خزانوں کو رشی تمہارے لئے
چھوڑ گئے ہیں۔ ان پر پورا قبضہ رکھو۔ وہ خاص تمہاری ملک و
میراث ہیں۔ مگر دنیاوی علوم کی طرف سے آنکھیں نہ میچو۔ تاوقتیکہ تم
آج کل کی سائنس و فلاسفی سے ماہر نہ ہو گے۔ اور ان خیالات کو نہ سمجھ
لو گے۔ جو تہذیب و تمدن کے معیار ہیں۔ اور جو یورپین اقوام کو دنیا
کی جدوجہد میں گرم رفتار و کامیاب بنا رہے ہیں تب تک تم اپنے آپ
کو کبھی نہ سنبھال سکو گے۔ نہ اپنے دھرم کی عظمت کو قائم رکھ سکو گے

چوٹی سے لے کر اڈی تک ہندو بنے رہو لیکن موجودہ زمانہ کے حالات و تعلقات میں بالکل زمانہ کے مطابق up to date رہنے کا بھی اہتمام کر رکھو۔

تعلیم کے معاملہ میں تم کو ابھی کیا کیا نہیں کرنا ہے۔ خود غرضوں کی بندش نے اس سے بھی ملک کو محروم کر رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے۔ آج جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکی ہر چہار طرف چھائی ہوئی ہے۔ تم پڑھے لکھے ہو۔ ایشور نے علم کی برکت سے تم کو مستفیض کر رکھا ہے۔ سوچکر ذات پات کے گڑھے میں پڑے ہوئے بھائیوں کو اٹھاؤ۔ ان کو بہتر خیالات دو۔ ان کی تعلیمی حالت درست کرو۔ مغربی کتابوں کو دیسی زبانوں میں ترجمہ کر کے پرچار کرو۔ علم کو سب کی میراث بناؤ۔ مہربان سرکار اپنے طور پہ کچھ کر رہی ہے۔ مگر وہ کب کافی ہے۔ جس ملک میں ہزاروں آدمیوں میں ایک دو پڑھے لکھے ہوں وہ کیا خاک ترقی کر سکتا ہے۔ اس لئے جن کو ذرا بھی شدہ بدہ ہو وہ بھی اس کار اہم میں لگ جائیں۔ دنیا کے تمام مشنوں کا مقصد صرف تعلیم کا عام کرنا ہے۔ اصلاح کی کوشش ہمیشہ اندر کی طرف سے ہونی چاہئے۔ تم ہمت کی کمر کو چست باندھو اور اپنے ذاتی نفع کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر جا بجا گاؤں گاؤں پاٹھ شالائیں جاری کر دو۔

(تمہارا دویکانند)

۷

پیارے

میں یہاں وہی کام کر رہا ہوں۔ جو ہندوستان میں کرتا تھا۔

ہمیشہ میرا وشواس پرماتما پر رہتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی خیال میرے دماغ میں سرائیت نہیں کرتا۔ علاوہ بریں تم کو یاد ہونا چاہئے۔ کہ اس ملک میں مجھ کو اس طرح لگاتار کام کرنا پڑا ہے۔ کہ مجھکو وقت نہیں۔ کہ اپنے خیالات کو کتاب کی صورت میں لاسکوں یہاں تک عدیم الفرصتی رہتی ہے۔ کہ کثرت کار کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں میرے جسم کے رگ و ریشہ کبھی کبھی بیجرکت ہو جاتے ہیں۔ میں تمہارا اور . . . . کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا۔ جو بے غرضانہ اور بہادرانہ کام تم نے میرے لئے کئے ہیں۔ ان کا معاوضہ مشکل ہے میں سوچتا ہوں میں نے کافی طور پر کام کیا ہے۔ اب مجھ کو آرام کی ضرورت ہے۔ تاکہ جو لوگ میرے پاس کی طرف سے آئے ہیں۔ اُن کو تعلیم دوں ویساؤں اب تم کو معلوم ہوگیا ہے کہ تم کیا کر سکتے ہو۔ نوجوانو! دراصل تم ہی نے کام کیا ہے۔ میں صرف نام کے لئے ہوں میں ایک تیاگی ہوں صرف ایک خیال میری زندگی کو متحرک رکھتا ہے۔ میں اس مذہب یا اس ایشور پر وشواس نہیں رکھتا جو بیواؤں کے آنسو نہیں پونچھتا یا یتیموں کے منہ میں روٹی کا ٹکڑا نہیں دے سکتا۔ ظاہری و نظری اصول کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ فلاسفی کتنی ہی باقاعدہ اور مکمل کیوں نہ ہو۔ جب تک وہ کتابوں میں محدود ہے میں اس کو مذہب نہیں کہتا ہوں۔ آنکھ پیشانی پر ہے۔ پشت پر نہیں۔ آگے بڑھو۔ جس مذہب کا تم کو غرور ہے۔ اس کو عملی جامہ میں دکھلاؤ اور ایشور تمہارا بھلا کرے گا۔

میری طرف بالکل نہ دیکھو۔ بلکہ اپنی طرف دیکھو۔ میں خوش نصیب ہوں کہ تمہارے بیدار کرنے اور تم کو ہوش میں لانے کا موقعہ مجھ کو

ملاء۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس کے ساتھ بہنے کے لیئے مستعد ہو۔ اور ہر ایک کام ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے بیٹے! پریم نہ آج نہ کل نہ مدتوں بعد کبھی ناکامیاب ہوا نہ ہوگا۔ سچائی آخرکار فتح حاصل کر کے ہی رہے گی۔ پریم کی جے ہوگی۔ کیا تم اپنے ہمجنسوں کو پیار کرتے ہو تم کہاں ایشور کو ڈھونڈنے کے لیئے تلاش کر رہے ہو؟ یہ غریب شکستہ حال ایشور کے بچے دیوتا ہیں۔ پہلے ان کو پوجو۔ گنگا کے کنارے کنواں کھودنے کی کیوں فکر ہے؟ پریم کی زبردست طاقت ہیں وشواس رکھو۔ نام و نشان کی بیہودہ خواہش پر کون مرے ہیں کبھی نہیں دیکھنا اخبار والے کیا کہتے رہتے ہیں اگر تم میں پریم ہے۔ تم میں طاقت ہے کیا تم بالکل نشکام ہو۔ اگر ایسا ہے۔ تو کون تمہارا مقابلہ کر سکیگا؟ سچائی اور خلوص ہی ہر جگہ و ہر وقت کام آتے ہیں۔ ایشور اپنے بندوں کی سمندر کی تہ میں بھی رکھوالی کرتا ہے۔ تمہارے ملک میں اب ویر پرشوں کی ضرورت ہے۔ تم سب لوگ ویر پرش بنو۔

مجھ سے ہر شخص خواہش رکھتا ہے۔ کہ میں ہندوستان آؤں ان کا خیال ہے میں ہندوستان میں آکر زیادہ کام کر سکتا ہوں میرے دوست! وہ سب غلطی پر ہیں۔ موجودہ جوش میں بہت کچھ حب الوطنی ہے۔ مگر دراصل اس کی کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔ یہ سچ ہے اس میں بال برابر بھی فرق نہیں ہے۔ کہ تھوڑے دنوں میں سینکڑوں ویر پرش چاروں طرف سے پیدا ہو کر کام کرنے لگ جائیں گے۔ اس لیئے سمجھو تم نے کچھ تو کیا ہے۔ اور آگے بڑھو۔ میدان وسیع ہے۔ مجھے اس پنتھ یا اس فرقہ سے کیا مطلب ہے؟ میں صرف ایشور کا سیوک ہوں

اور دنیا میں اس سے بہتر اعلےٰ خیالات کے پھیلانے کے لیئے اور
کون سی موزون جگہ ہوگی! یہاں اگر ایک شخص میرے برخلاف ہے تو
سینکڑوں کے ہاتھ مدد کرنے اور دعا دینے کے لیئے اٹھتے ہیں
یہاں انسان انسان کے دردغم کا شریک ہے۔ عورتیں دیویاں ہیں
نادان سے نادان آدمی بھی تعریف کو پسند کرتے ہیں۔ بزدل بھی دیوپرشوں کی وضع اختیار کر لیتے ہیں جب ان کو کسی کام میں یقینی کامیابی
کی امید ہوتی ہے۔ لیکن سچے دیوپرش خاموشی سے کام کرتے ہیں۔
کتنے بدھ مرجاتے ہیں۔ تب جاکر کسی ایک کو پرچار کا موقعہ ملتا ہے
میرے بیٹے! میں ایشور اور منشیہ دونوں میں وشواس رکھتا ہوں۔
مجھے بدنصیبوں کی مدد میں وشواس ہے میں ان کے بچانے کے
لیئے نرک میں جانا بھی غنیمت سمجھتا ہوں۔ . . . .
ویدانت ویدانت چلاتے رہنا سہل ہے لیکن اس پر عمل کرکے
دکھا دینا مشکل ہے۔
اننیر باد کے ساتھ تمہارا ودیکانند
یاد رہے کہ حسد و صاحب اختیار ہونے کی خواہش ان دونوں سے
پرہیز رکھو۔ اپنے پہ بھروسہ کرنے کی عادت ڈالو۔
(وویکانند)

۸

پیارے!
میں نہیں جانتا کب ہندوستان میں آونگا۔ ہر کام کو

ایشور کے حوالہ کرنا بہتر ہے۔ جو میری پشت پر ہے اور جو میری رہبری کرتا ہے۔ بغیر میرے تم کام کرنے کی کوشش کرو۔ ایسا سوچو۔ میں گویا کبھی موجود ہی نہیں تھا۔ کسی شخص یا کسی چیز کا انتظار نہ کرو۔ جو ہو سکتا ہے کرو۔ کسی پر اپنی امید کا دار و مدار مت رکھو۔

اپنے ملک میں میری کافی تعریف و قدردانی ہو چکی ہے۔ قدردانی ہو خواہ نہ ہو۔ تم خواب میں اب غافل نہ ہو۔ بھول کر بھی سستی و کاہلی کے ہاتھ نہ بکو۔ بہت کچھ ہو لیا۔ اب بیدار ہونے کی باری ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں سے کام لو۔ ان کو ایک شیرازہ میں جکڑ دینے کا اہتمام کرو۔ ان کو ایک معقول آرگنیزیشن کا ماتحت بناؤ۔ بڑی مہمیں صرف بڑی قربانیوں سے سر ہوتی ہیں۔ خودغرضی چھوڑو۔ نام کی شہرت کو پاؤں کے تلے روندو۔ چاہے یہ میرا تمہارا خواہ اور کسی کا کیوں نہ ہو۔ کام کام۔ خیال۔ تجویز۔ تحریک۔ میرے بچو! میرے بہادر نیک آتماؤ پہیے سے اپنا کندھا لگادو۔ گردن موڑ کر نہ دیکھو۔ نام شہرت یا اور کسی قسم کی بیہودہ باتوں میں نہ اٹکو۔ اپنی خودی کو دور پھینک دو۔ اور سچے دیش بھگتوں کی طرح کام میں لگ جاؤ۔ سچے دیش بھگتوں کی طرح کام میں لگ جاؤ۔ یاد رکھو۔ گھاس کے کمزور ناچیز تنکے اور ملائم تنکے جس وقت بٹے جاکر رسی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں مست اور شہزور ہاتھی کو بھی جکڑ کر باندھ لیتے ہیں۔ ایشور تم سب کو اشیرباد دیں۔ ان کی طاقت تم سب کے ساتھ ہوگی اور میں وشواس کرتا ہوں۔ وہ اب بھی تمہارے ساتھ ہے۔ جاگو

اٹھو بیٹھو جب تک منزل پر نہ پہونچ جاؤ کبھی نہ چین لو۔ یہ ویدوں کا حکم ہے۔ یہ مبارک و مقدس شرتی کا فرمان ہے۔ اٹھو اٹھو رات گزرنے کو ہے۔ لہر اٹھ رہی ہے۔ کوئی اس امنڈتے ہوئے سیلاب کے جوش کو نہیں روک سکتا۔ جوش میرے بچو جوش۔ پریم میرے بچو پریم وشواس میرے لڑکو وشواس۔ اور خوف نہ کرو۔ سب سے مکروہ پاپ خوف ہے۔

انڈیا کو اٹھنا ہے! انڈیا اٹھ کر رہے گا۔ غریب اور عام آدمیوں کو خوشحال بنانا ہے۔ روحانیت کا پر جوش سیلاب آ گیا۔ میں دیکھتا ہوں وہ جھومتا ہوا سارے ملک کو اپنے میں لپیٹتا ہوا آ رہا ہے۔ کوئی اس کی روک ٹوک نہیں کر سکتا۔ اس کا حد و پایان نہیں ہے۔ وہ سب کو جذب کرنے والا ثابت ہوگا۔ ہر شخص کو کہو آگے بڑھے۔ ہر شخص اس کے زور رفتار کو مدد دے۔ ہر ہاتھ اس کے راہ کو خار و خس سے پاک کرے۔ اور ہم سب اس مہاں تیجومے پرماتما کا گن گان گائیں!

مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک فنڈ کھول دو میجک لینٹرن نقشے کرہ وغیرہ خرید لو۔ ہر شام کے وقت غریب و محتاج آدمیوں کو اس کی مدد سے لکچر دو۔ سب سے پہلے ان کو مذہبی تلقین کرو۔ اور پھر لینٹرن کی مدد سے جغرافیہ۔ نجوم وغیرہ مفید باتیں سکھلاؤ۔ سرگرم و پرجوش نوجوانوں کو تعلیم دو۔ اپنی آگ ان میں ڈال دو۔ وہ خود بخود سلگ کر اٹھینگی۔ اور اپنے دائرہ کو روز بروز وسیع کرتی جائے گی۔ اس آرگنیزیشن سے بڑا کام نکلیگا جو کچھ ہو سکتا ہے کرنے لگ جاؤ۔ چل پڑو۔ وقت نس پڑو۔ اسباب کے انتظار میں نہ رہو کہ جب دریا کا پانی خشک ہو جائے گا۔ تب پار چلینگے

میگزین چھاپنا۔ اخباروں میں لکھنا اچھی بات ہے۔ اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے مگر میرے بچو! اصلی کام کرنا چاہیے۔ وہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ اس سے ہزارہا درجہ بہتر و مفید تر ہے۔ فقط مت لکھتے پڑھتے رہنے سے کام کی دھن زیادہ مرغوب و نتیجہ آور ہے۔ ہر ایک جلسہ منعقد کرو۔ کچھ روپیہ اکٹھا کرو۔ ایک جھونپڑا کرایہ پر لے لو۔ ضروری سامان جو کچھ میں نے لکھا ہے خرید لو۔ اور کام میں مصروف ہو جاؤ۔ میگزین چھاپنا کام نہیں ہے۔ چھوٹی ابتدا کو حقارت یا خوف کی نظر سے نہ دیکھو۔ چھوٹی ابتدا سے بعد کو اکثر بہت بڑے بڑے کام ہوئے ہیں۔ ہمت کرو۔ اپنے بھائیوں کی سرگروہی کی ہوس دل میں نہ آنے پاوے۔ بلکہ ان کی خدمت کا خیال موجزن ہو۔ گورو بننے کی احمقانہ ہوس نے زندگی کے دریا میں ہزاروں تختے غرقاب کر دیئے۔ اس سے خاص طور پر بچتے رہو۔ مرتے وقت تک بے غرض بنے رہو۔ اور کام کرتے جاؤ۔ میں جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں سب نہیں لکھ سکتا ہوں مگر میرے بہادر بچو! ایشور تم کو خود سمجھ بوجھ عطا کرے گا کام میں ہاتھ لگاؤ۔ ایشور کی جے ہو۔

تمہارا پیار کرنے والا

(وویکانند)

۹

پیارے! "ہم ماں کے پیٹ سے ننگے آتے ہیں۔ اور ننگے ہی واپس جاتے ہیں۔ ایشور کا نام مبارک ہو" یہ الفاظ ایک یہودی فقیر کی زبان

سے نکلے تھے۔ جو مصیبت اور تکالیف کا آماجگاہ بنا تھا۔ مگر اس
پر بھی اس نے اپنے استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ ان لفظوں میں زندگی
کا اسرار چھپا ہوا ہے۔ سمندر کی سطح پر لہریں انتشار شور مچائیں طوفان
کے تلاطم سے جہاز کے تختے پاش پاش ہو جائیں۔ مگر اس کی تہ میں بیحد
شانتی۔ سکون وقرار ہے۔ اور وہاں تک ان موسمی یورشوں کی
رسائی محال ہے۔ "مبارک ہیں وہ جو رنج سہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو تسلی
دیجائے گی"! اور کیوں؟ ایسا کیوں ہوگا؟ کیونکہ ان عارضی حادثات
اور وقوعات کے درمیان جب جور وستم کا ہاتھ باپ کی آہ اور ماں کے
نالے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے زمین تک کو ہماری پاؤں کے تلے سے
کھینچ لیتا ہے۔ اور تمام دنیا ماتمکدہ کی شکل میں ہمارے رنج و یاس و
حرمان کی جگہ بن جاتی ہے۔ اس وقت اندرونی آنکھیں کھل جاتی ہیں خواب
وخیال محو ہو جاتے ہیں۔ اور ہم دوبدو اس راز مخفی سے ہمکنار ہوتے ہیں
جو ہستی کی اصلیت کہلاتا ہے۔ ہاں یہ حالت اس وقت آتی ہے جب
کمزور کشتیاں باد مخالف کے جھونکوں سے غرقاب ہو جاتی ہیں۔ اور ادھر
زندہ دل۔ ہمت والے بہادر ان پر غالب آکر اس قایم لانیوالی اور لاتحدود
وجود کو دیکھتے ہیں۔ جو مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے
اس وقت جسم کو جکڑانے والی زنجیر نے آتما کو مقید کر رکھا تھا وہ ٹوٹ جاتی
ہے۔ اور آتما آزاد و بے تعلق بنکر پرماتما کے تخت کے گرد طواف کرتا ہے
اور وہاں اس کو نہ ظالموں کے جور و تعدی کا گلہ ہے۔ نہ زندگی کی کلفت
کا خوف ہے۔ بھائی اس پرماتما کے حضور میں روزانہ عرضیاں گزارنے سے
باز نہ آؤ۔ کوئی دن یا رات ایسا نہ گزرے جس وقت تمہاری زبان سے یہ

الفاظ بر آمد ہوں۔ پرماتمن تیری اچھیا پورن ہو۔

ہم کس زبان سے شکایت چون و چرا کریں۔
راضی رضا پہ ہو کے نہ کیوں تیرا دم بھریں۔
تو کبریا ہے پاک ہے پروردگار ہے
تیرا ہی سب جہاں میں نقش و نگار ہے
بندے ہیں بندگی سے ہمیں اپنی کام ہو
تیرا ہی ذکر یار خدا صبح و شام ہو

پرماتمن! تیرا نام مبارک ہو۔ تیری مرضی کے موافق کام ہو۔ خداوندا! ہم جانتے ہیں۔ ہم تیرے محکوم ہیں۔ تو حاکم ہے ہم بچے ہیں۔ تیرا ہاتھ ہماری تنبیہ کر رہا ہے۔ روح رضامند ہے مگر جسم کمزور ہے لے پریم سے پتا۔ دل میں کمزوری کا ملال ہے جو قناعت کی راہ چھوڑ کر شکایت کرتا ہے۔ تو ہم کو مضبوطی دے تو نے دیکھا۔ ہمارا سارا کنبہ تیری آنکھوں کے سامنے برباد ہو گیا۔ اور تو اپنا ہاتھ سینہ پر دھرے ہوئے دیکھتا رہا۔ خداوند تو ہمارا اُپدیشک بن۔ تو ہم کو تعلیم دے۔ تو ہم کو ایشور پرائن ہونے کا سبق سکھلا۔ تاکہ ہم زندگی کا اصلی مقصد حاصل کر سکیں۔ اور ہم سب یکدل و یک زبان ہو کر تیری متابعت کے گیت گانے لگیں۔ پرماتما ہم کو شانتی دے۔ یہی ہماری دن رات دعا ہے۔

دوبکانند

۱۰

مہاراجہ صاحب!

ایشور آپ کو اور آپ کے متعلقین کو سکھی رکھے

آپ کی مہربانی سے مجھ کو اس ملک کی سیاحت کا موقعہ ملا۔ اب مجھ کو یہاں سب لوگ جانتے ہیں۔ اور یہاں کے مہمان نواز آدمی میری ضرورتوں کو رفع کر دیتے ہیں۔ یہ ملک عجیب و غریب ہے۔ اور یہاں کے باشندے بھی کئی لحاظ سے عجیب و غریب ہیں۔ دنیا میں اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے۔ جو اپنے روزانہ کاروبار میں اس قدر مشین سے کام لیتی ہو۔ یہاں سارا کام مشین سے کیا جاتا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے وہ دنیا کے صرف ۱/۲ حصہ ہیں۔ مگر دنیا کا ۱/۴ حصہ ان کی تاریخ ہے ان کی دولت اور عیش پسندی کی انتہا نہیں ہے۔ پھر بھی یہاں ہر چیز مہنگی ہے مزدوری بھی سب جگہ سے یہاں زیادہ ملتی ہے تاہم روزگار اور دولت حاصل کرنے کی کشمکش بہت ہے۔

امریکہ کی طرح عورتوں کو کہیں بھی اس قدر آزادی نہیں ہے اب آہستہ آہستہ سب کام ان کے ہاتھ میں آتا جاتا ہے۔ پڑھی لکھی عورتوں کی تعداد امریکہ میں مردوں سے زیادہ ہے۔ گو اب تک قابل تر پڑھے لکھے مرد ہی پائے جاتے ہیں۔ امریکہ والے گو ذات پات کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مگر ان کے یہاں بھی ذات کی قید موجود ہے۔ جو ان میں زیادہ روپیہ والا ہے۔ وہ سب میں شریف سمجھا جاتا ہے۔ ان لوگوں میں مادر۔ پدر۔ برادر جو کچھ ہو سو زر ہے

پورا سائنس نہیں سمجھ سکتے کہ ان کو ویدک خیالات کے سننے کا کس قدر شوق ہے۔ گو آج دن سائنس نے مذہب کے ذبح کرنے کا ٹھیکہ لیا ہے۔ مگر امریکہ والے ویدوں کے اعلےٰ خیالات اور ان کی پاک تعلیم کے بہت کچھ شایق ہیں۔ یہاں بائبل کے مسئلہ پیدائش نیستی سے ہستی میں ظہور۔ چنانچہ قہار خدا کا آسمان کے تخت پر جلوس دائمی دوزخ کا انتشادہ اور دائمی بہشت کے مزے آجکل کے تعلیمیافتہ آدمیوں کی نظر میں مکروہ اور قابل نفرت مسایل بن گئے ہیں۔ مگر وہ کسی نہ کسی صورت میں روح۔ مادہ والیشور کی لافانیت کے مضمون کو قبول کرنے جاتے ہیں۔ پچاس برس کے عرصہ میں روح کی پیدائش کے بابت ان سب کے عقاید ویسے ہی ہو جاویں گے۔ جیسے ویدوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے عالم پادری بائبل کی تشریح بھی اسی طرح کرنے لگ گئے ہیں۔ میری دانست میں ان کو روحانی اور سہم کو ہادی تعلیم کی ضرورت ہے۔

ہندوستان کی خرابی کی جڑھ غریبوں کا افلاس ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ ان کو تعلیم دی جائے۔ تاکہ وہ اپنی شخصیت کی تکمیل کر سکیں۔ یہ کام ہمارے راجاؤں و دیگر ذی رسوخ باہمت آدمیوں کا ہے۔ اب تک اس معاملہ میں کچھ نہیں ہوا۔ پجاریوں نے پامال کر رکھا ہے اور ہندوستان کے غریب باشندوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو انسان تک نہیں سمجھتے۔ اُن کے توہمات دور کر کے اُن کی آنکھوں کو کھول دو ان سے کہو دیکھو دنیا میں کیا ہو رہا ہے تمہیں بھی خود اپنی نجات کی کوشش خود کرنی چاہئے ان کے دل میں نئے خیالات

کے حلول کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا کام ہے کہ کیمیائی اجزاء کو اکٹھا
کر دیں۔ وہ اپنی شکل آپ بنا لیں گے۔ ہمارا فرض ہے ہم ان کو خیالات
دیں۔ باقی کام وہ آپ کر لیں گے۔ ہندوستان میں بس اسی کی سخت
ضرورت ہے۔ مدتیں گزریں۔ جب سے یہ خیال میرے دماغ میں سمایا ہے
میں ہندوستان میں اس کی تکمیل نہ کر سکا۔ اس لئے یہاں چلا آیا۔
غریبوں کی تعلیم میں بڑی دقت یہ ہے۔ فرض کیا۔ آپ نے خود گاؤں
گاؤں میں سکول کھول دیئے۔ مگر اس سے غریبوں کو کیا فائدہ ہوگا!
کیونکہ افلاس اس زور کا ہے۔ کہ بالعوض پڑھنے کے وہ کھیت میں
اپنے باپ کی مدد کرنا زیادہ ضروری سمجھیں گے پہلے اپنے رزق کا انتظام
کریں گے۔ اس لئے اگر پہاڑ محمدؐ کے پاس نہیں آتا۔ تو محمدؐ کو خود پہاڑ
کے پاس جانا چاہیے۔ اگر غریب غربا تعلیم کی طرف مائل نہیں ہوتے
تو ایسا انتظام ہونا چاہیئے۔ کہ تعلیم خود ان کو اپنی طرف مائل کرے
ہندوستان میں ہزاروں نفس کش سادھو گاؤں گاؤں گھومتے رہتے ہیں
اگر ایسا انتظام ہو سکے کہ وہ کسی آرگنیزیشن کے ماتحت ہو کر وعظ کے
سوائے تعلیم بھی دینے لگیں۔ تو کیا اچھی بات ہے۔ ان کے ہاتھ میں نقشہ
کرۂ ارض وغیرہ موجود ہو اور وہ اس کی مدد سے دیہاتیوں کو نجوم و جغرافیہ
وغیرہ سکھلایا کریں۔ قصہ کہانی کے طور پر ان کو دنیا کی قوموں کی گرم رفتاری
کے حالات سنایا کریں۔ اور اگر یہ ممکن ہو تو وہ اس تنسان کے معلومات
کو وسیع کر سکیں گے۔ جو زندگی بھر کتابوں کے پڑھنے سے حاصل نہیں
ہو سکتا۔ اس کے لئے آرگنیزیشن کی ضرورت ہے اور آرگنیزیشن روپیہ
کا محتاج ہے۔ روپیہ کو گردش میں لانا مشکل ہے۔ لیکن اگر ایک مرتبہ

حرکت ہوگئی تو اس کی رفتار خود بخود تیز ہوتی جائے گی۔ افسوس اپنے
ملک میں لوگوں کی ہمدردی نہ دیکھ کر میں آپ کی مدد سے اس ملک میں
آیا ہوں۔ امریکہ والوں کو اس بات کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ کہ
ہندوستان والے مریں گے یا جئیں گے۔ اور جب ہمارے اپنے
آدمی خود غرضی کے دام میں مبتلا ہیں۔ تو غیروں کو ان کی ہمدردی کی
کیا پرواہ ہو۔ نیک و شریف مہاراجہ! زندگی تھوڑی ہے۔ دنیاوی
طمطراق عارضی ہیں۔ دائمی زندگی اسی انسان کا ورثہ ہے۔ جو دوسروں
کے لئے جیتا ہے۔ باقی اور آدمی مردہ ہیں۔ اگر آپ ایسا عالیشان نیک
دل فرمانروا ہندوستان کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا سبق
سکھا دے تو آنے والی نسل آپ کے نام کی تعظیم کرے گی۔
ایشور کرے آپ کا دل ہندوستان کے مصیبت زدہ انسانوں
کو دیکھ کر پسیجے اور آپ ان پر ترس کھائیں یہی میری دعا ہے۔

وویکانند

۱۱

پیارے! ہندوؤں کو عیسائی ہوتے ہوئے دیکھ کر تم کو افسوس
ہوتا ہے۔ تمہارا افسوس کرنا بجا ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ مدراس میں ہندو
سوسائٹی کی موجودہ مکروہ۔ ناخوشگوار اور ذلیل فیوڈ کی موجودگی
میں تم کو اور کس بات کی امید ہو سکتی ہے؟ ....
...... آزادی ترقی کی پہلی شرط ہے۔ آزادی چھین لو ترقی چلی جاتی
ہے۔ چاروں طرف سے قید لگا دی جائے پھر نشوونما یا بالیدگی کی

امید نہ ہو سکیگی۔ تمہارے بزرگوں نے روح کو خیال کی آزادی عطا کی۔ اور دیکھو مذہب نے کیسی کچھ تعجب انگیز ترقی کی انسانی دماغ کی بلندی پروازیوں نے کیسے کیسے بلند و مرتفع طبقات کا حال ڈھونڈ کر نکالا۔ تمہارے بزرگوں نے جسم کے ارد گرد ونی اور تکلیف دینے والی زنجیر کو قائم کر دیا۔ کسی پہلو سے اس کو حرکت کرنے کی اجازت نہیں دی۔ سوسائٹی کی ترقی میں فرق آیا۔ وہ درخت بڑھا نہیں بلکہ ٹھٹھر گیا۔ اس کو اپنی ڈالیوں اور ٹہنیوں کے پھیلانے کا موقعہ نہیں ملا۔ اس کی جڑ تنگ جگہ میں سکڑی ہوئی ہے۔ پھل پھول کثرت سے نہیں آتے۔ اور درخت اپنی اصلی حالت اور بالیدگی پر نہیں آ سکتا۔ اس حالت میں اس کے برعکس یہ کیفیت ہوتی جاتی ہے کہ ہر قسم کے آزار ستا رہے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر مذہب کو نہیں چھوڑتے تو حالت اچھی ہونا محال ہے۔ اور فاقہ کشی سے جان بچنی مشکل ہے۔

دائمی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد میں مشرق اور مغرب کے مذہب کے رستے ڈھیلے ہوتے جاتے ہیں۔ آزادی کے لیئے دونوں جگہ کشمکش ہو رہی ہے۔ مگر ہر ایک کو اپنی اپنی خصوصیت کو قائم رکھنا ہے۔ ہندوستان مذہب یعنی انتہائی ورتی کا دلدادہ ہے۔ مغرب سائینس یعنی واہائی ورتی پر شیدا ہے۔ مغرب ایسی روحانیت کا خواہشمند ہے۔ جو سوشیل ترقی کے ساتھ حاصل ہو۔ مشرق اس قسم کی سوشیل ترقی کا متمنی ہے۔ جو روحانیت کے ساتھ ملے یہ ایک خاص وجہ ہے۔ جس کے سبب سے ہندوستان میں ریفارم اصلاح

کے کام کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کی مراد مذہب کے پامال کر دینے کی ہوتی ہے۔ کوشش کی گئی۔ ناکامیابی ہوئی کیوں ایسا ہوا؟ کیونکہ کمتر آدمیوں نے اپنے مذہب کو مطالعہ کیا ہے۔ ان کو شرتی کے مطالب پر عبور حاصل نہیں ہوا۔ جو دنیا کے تمام مذہبوں کی ماں ہے۔ نہ اس کے سمجھنے کی تعلیم و تادیب کی ضرورت محسوس کی گئی۔ میرا دعوےٰ ہے۔ کہ ہندو سوسائٹی کے لئے مذہب کے بدلنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ سوسائٹی کی یہ حالت مذہب کی وجہ سے نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مذہب کی اصلیت سے واقفیت نہیں پیدا کی گئی۔ اور جیسا سوسائٹی کی ترتیب و ترکیب میں اس سے کام لینا چاہئے تھا۔ اس کا انتظام نہیں ہوا۔ میں ہر وقت قدیم و مقدس نوشتہ جات سے ثابت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں اسی کی تعلیم دیتا ہوں۔ اور ہم کو اس کی تکمیل میں ساری زندگی بھر جد و جہد کرنا چاہئے مگر اس کے لئے وقت کی ضرورت ہے۔ مطالعہ مشاہدہ و تجربہ کے لئے وقت چاہئے۔ اور کیا عجب زیادہ عرصہ درکار ہو۔ جلدی کرنے کی ضرورت نہیں جلدی سے بالعوض فائدہ کے کبھی کبھی نقصان ہو جاتا ہے۔ محنت کرو۔ اور صبر کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو۔ مگر یہ خیال ہمیشہ تمہاری نگاہ کے سامنے ہو کہ مدد حق اُن کی کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

تم اپنے آپ کو خود بچاؤ۔ خود سنبھل بیٹھو۔ اور خود ہی ہاتھ پاؤں مارو۔ کیونکہ جو دوسروں کی مدد پر کام کرتے ہیں۔ یا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ قدرت میں ان کی مدد کا انتظام نہیں ہے۔

اس راز کو گر دوستو! پہچان گئے تم
یہ جان لو۔ اک نکتہ۔ اہم جان گئے تم
قدرت نے زمانہ میں شرف جن کو دیئے ہیں
یہ یاد رکھو۔ ہاتھوں سے خود کام کئے ہیں
کاہل کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے
گر اپنا نہیں غم ہے تو غمخوار نہیں ہے

گر بہتری ہے قوم کا کچھ دل میں ہے ارمان
ہو جاؤ میرے دوستو! تم قوم پہ قربان
بن اس کے علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دھبہ ہے یہ وہ جس کو کوئی دھو نہیں سکتا
اصلاح کی تدبیر نہیں اس کے سوا ہے
ہمت کرو ہمت کا مددگار خدا ہے۔

(تمہارا خیر اندیش)

(وویکا نند)

(۱۲)

ہائی ڈیر میڈم!

"اپہارتی" کی ایک کاپی مجھ کو ملی۔ اور میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں۔ کہ جس خدمت کے رہئے ہیں نے اپنی زندگی کو معنون کر رکھا

ہے۔ ایسے آپ ایسی عقیل وبویاں پسند کرتی ہیں۔

زندگی کے معرکہ میں ہمارے یہاں ایسے مرد کمیاب ہیں جو نوآموزوں کے دل میں نئے خیالات و نئے جذبات پیدا کریں عورتوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ وہ اس بدنصیب ملک میں انتقاد د کالعدم ہے۔ اس خیال سے ایک تعلیم یافتہ بنگالی لیڈی کی پسندیگی ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ مردوں کے نعرہ تحسین و آفرین سے کہیں زیادہ قیمتی اور قدر و منزلت کی چیز ہے۔

البتہ ورکرست ہمارے ماتمی بھومی میں آپ کی مانند اور بہت سی عورتیں پیدا ہوں۔ اور اس ملک کا سدھار کریں!

بھاشتی میں جو آرٹیکل میری نسبت لکھا گیا ہے۔ اس کے بارے میں مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے۔

یہ صرف بھارت ورش کے مفاد اور منفعت کا خیال ہے جس کی وجہ سے مغرب کے ملکوں میں مذہبی پرچار کیا جا رہا ہے۔ اور کیا جائے گا میرا خیال ہے جب تک مغربی خیالات اور مغربی آدمیوں کی مدد نہ لیجائے گی۔ ہمارا ابھرنا مشکل ہے۔ افسوس یہ ہے ہمارے ملک میں نہ خدمت کی قدردانی کا مادہ ہے۔ نہ مالی حالت اچھی ہے اور سب سے زیادہ مکروہ و معیوب بات یہ ہے۔ کہ عملی طور پہ کام کرنے کی عادت کا مطلق پتہ نہیں ہے۔

ہمت سے کام کرنے کی ضرورت ہے مگر ذرائع و وسایل نہیں ہیں۔ ہم میں دماغ ہے۔ مگر ہاتھ نہیں ہیں۔ ہم میں فلسفہ ہے لیکن فلسفہ کو عملی جامہ پہنانے کی قابلیت نہیں ہے۔ ہمارے مقدس کتابوں

میں انسان کے مساوی حقوق کے مضامین موجود ہیں۔ لیکن باہمی برتاؤ کرنے میں ہم میں ناخوشگوار تمیز اور اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ صرف بھارت ورش ہی تھا۔ جس میں سب سے پہلے اعلےٰ درجہ کے بے غرضانہ کام کا وعظ سنا گیا تھا۔ مگر عمل کرنے میں ہم نہایت خوفناک و بیرحم بن جاتے ہیں۔ ہمارے دل پتھر کے ہو جاتے ہیں اور سوائے اپنی ذات اپنے جسم اور اپنے گوشت و پوست کے اور کسی کا ہم کو خیال بھی نہیں رہتا۔

مگر موجودہ حالت سے گزر کر ہی ہم کو ترقی کی طرف چلنا ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ؎

باہمیں مردمان بباید ساخت

ہر شخص میں نیک و بد خاصیتوں کی تمیز ہے۔ لیکن بہادر وہ شخص ہے جو سنسار کے تموج خیز لہروں کے درمیان پڑ کر ہمت کو نہیں ہارتا سنسار میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ مغالطے پیدا کئے جاتے ہیں۔ بھرم کا جال پھیلایا جاتا ہے۔ مگر ایسے بہادر شخص جہاں ایک ہاتھ سے روتی ہوئی خلقت کے آنسو پونچھتے جاتے ہیں۔ دوسرے ہاتھ سے اندھی کرنے والی لہروں کو چیرتے ہوئے نجات کا راستہ دکھلاتے جاتے ہیں ایک طرف قدامت پسند۔ کٹر۔ نئے خیالات کی مخالف جماعت شور و غل مچا رہی ہے۔ دوسری طرف بے صبر۔ بے چین۔ آتشی مزاج ریفارمر آسمان و زمین کو ملا کر ایک کر دینا چاہتے ہیں۔ مگر بھلائی کا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ میں نے جاپان میں لڑکیوں کو یہ کہتے اور یقین کرتے ہوئے سنا تھا۔ کہ اگر ان کی گڑیوں کے ساتھ سچی محبت کی جائے

تو وہ زندہ ہو جائیں گی۔ جاپانی لڑکیاں اپنی گڑیوں کو کبھی نہیں توڑتیں
اے خوش قسمت دیوی! میرا ابھی عقیدہ ہے کہ اگر ایک شخص بھی
ہندوستان کے مغلوک غلس ننگے محتاج پاؤں سے کچلے ہوئے
غیر تعلیم یافتہ وان سمجھ۔ نادان اور حاسد باشندگان کو دل سے پیار
کرنے لگے۔ تو اس میں زندگی کی علامات پیدا ہو سکتی ہیں۔ ہندوستان
صرف اس وقت بیدار ہوگا۔ جب اس کے ہزاروں وسیع دل۔ وسیع
خیال۔ اور وسیع دماغ والے لڑکے و لڑکیاں زندگی کے عیش و عشرت
کو ٹھکرا کر ان کروڑوں ہم وطنوں کی بہتری کے لئے اپنے آپ کو قربان
کر دیں گے۔ اس وقت اس میں زندگی آوے گی ہندوستانی روز
بروز جہالت۔ بربادی اور کس مپرسی کے عمیق غار میں غرق ہوتے
چلے جا رہے ہیں۔ میں نے اپنی حقیر زندگی میں تجربہ کر کے دیکھ لیا
ہے۔ کہ خوش نیتی کا خیال سچائی اور لاتحدید پریم دنیا کو فتح کر سکتا ہے
اگر ایک آتما میں ایسے ایسے اوصاف پیدا ہو جائیں۔ تو وہ کروڑوں
ریاکار انسانوں کی خود غرضی کے ناتے بانے کو ادھیڑ کر پھینک
سکتا ہے۔

میرا مغرب میں جانے کا ابھی تک کچھ ٹھکانا نہیں ہے۔ لیکن
اگر میں گیا تو وہ صرف بھارت ورش کے خیال سے ہوگا۔ اس ملک
کے آدمیوں میں طاقت کہاں ہے؟ اس ملک میں روپیہ کی طاقت
کہاں ہے؟ مغرب کے بہت سے مرد و عورت تیار ہیں۔ کہ وہ یہاں
آ کر ہندوستانی طریقہ میں یہاں ہندوستانیوں حتیٰ کہ چنڈالوں تک
کی خدمت کریں۔ مگر اس ملک میں ایسے آدمی کتنے ہیں؟ اور پھر ہماری

مالی حالت! اس کا تو کچھ کہنا ہی نہیں! میرے استقبال کے اخراجات پورا کرنے کی غرض سے کلکتہ کے باشندگان نے مجھ سے لکچر دلایا، جس کے واسطے ٹکٹ جاری کئے گئے تھے۔ میں کسی کو الزام نہیں دیتا۔ نہ لعنت ملامت کرنا چاہتا ہوں۔ میں صرف یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ بغیر روپیہ اور سچے آدمیوں کے کام چلنا بہت مشکل ہے۔

تمہارا مشاور و خیر اندیش وویکانند

۱۳

پیارے ....

دو تین سال لیکچر دے کر اس ملک (امریکہ) میں روپیہ اچھا پیدا کیا جا سکتا ہے۔ میں تھک گیا ہوں۔ اور اگرچہ میرے کام کی اس ملک میں بہت قدر ہے۔ لیکن میں اسے اپنی روحانی ترقی کے رستے مضر خیال کرتا ہوں۔

ہندوستانی اخبارات کی بابت جو کچھ تم نے تحریر کیا ہے میری نظر سے گزرا یہ محض قدرتی ہے۔ حسد۔ غلام قوم کا سب سے بڑا عیب ہے حسد اور متفق ہو کر کام کرنے کی ناقابلیت کا نتیجہ ہی غلامی ہے جب تک تم ہندوستان سے باہر نہ نکلو میرے الفاظ کی صداقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ مغربی دنیا کی کامیابی کا راز متفق ہو کر کام کرنے کی طاقت ہے۔ اور اس کی بنیاد باہمی اعتبار اور ایک دوسرے کی ذاتی خوبیوں کے اعتراف پر ہے۔ کوئی قوم جتنی کمزور اور بزدل ہوتی ہے اتنا ہی زیادتی سے یہ عیب اس میں پایا جاتا ہے۔ میرے پیارے بھائی

تم ایسی غلامی پسند قوم سے امید ہی کیا کر سکتے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ معاملہ حد سے زیادہ بگڑ گیا ہے۔ مگر ٹھیرو۔ میں سب کچھ تمہارے سامنے ظاہر کئے دیتا ہوں۔ کیا تم اس مردہ ڈھیر میں زندگی پیدا کر سکتے ہو۔ یہ تمام اخلاقی خواہشات کی طرف سے مردہ ہے۔ اور تمام زمانہ آئندہ کی ممکنات کیطرف سے لاپرواہ ہے یہ ان ہی کو نقصان پہنچانے کے لئے کمربستہ ہیں۔ جو کہ ان کی بھلائی چاہتے ہیں۔ کیا تم ایسے حکیم کی ذمہ واری لے سکتے ہو۔ جو کہ لاتیں چلانے والے شریر بچے کے منہ میں دوائی ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

اہالیان امریکہ و یورپ غیر ممالک میں اپنے ہم وطنوں کی طرح سے مدد کرتے ہیں۔ یاد رکھو۔ "تمہیں کام کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس کا پھل لینے کا نہیں"۔ یعنی تم کام اپنی مرضی کے موافق کر سکتے ہو۔ مگر اس کام کا نتیجہ اپنی مرضی کے موافق نہیں پا سکتے چٹان کی مانند مضبوط کھڑے ہو جاؤ۔ ہمیشہ راستی کی فتح ہوتی ہے سری رام کرشن کے بچو۔ اپنی آتما کے سامنے سچے رہو۔ اور تمام باتیں تمہاری مرضی کے موافق ہو جائیں گی۔ ممکن ہے۔ کہ ہم اپنی کوششوں کا نتیجہ دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہ سکیں۔ لیکن یقین رکھو۔ کہ جس طرح آج ہم جیتے ہیں۔ اسی طرح ان کوششوں کا نتیجہ بھی ضرور نکلیگا۔ دیر میں جلد ہماری کوششیں ضرور بار آور ہونگی۔ ہندوستان کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ ایک نئی بجلی کی چمک کی۔ تاکہ اس کی قومی رگوں میں نئی اور تازہ طاقت پیدا ہو جائے۔ یہ کام ہمیشہ آہستہ

آہستہ ہوتا ہے۔ اور آیندہ بھی ایسے ہی ہوگا۔ کام کرتے جاؤ صبر کرو اور اپنی ذات سے سچے رہو۔ صاف رہو۔ مضبوط رہو۔ پکے رہو اور سب کام خود بخود ہوتے چلے جائیں گے۔ اور سری رام کرشن کے چیلوں میں کوئی خوبی ہے تو یہ ہے۔ کہ وہ دل سے سچے ہیں اگر میں ہندوستان میں ایسے سچے سو آدمی پیدا کروں تو میرا کام پورا ہو جائے گا۔ اور دلی اطمینان کے ساتھ مرنے کو تیار ہو جاؤنگا۔ وہ پرماتما سب سے زیادہ جانتا ہے۔ بیوقوف آدمیوں کو فضول بکواس کرنے دو۔ ہمیں نہ مدد کی ضرورت ہے نہ ہم مدد لینے سے انکار کرتے ہیں۔ ہم اسی سروتم سوامی کے سیوک ہیں ناچیز آدمیوں کی ناچیز کوششوں پر ہم نگاہ بھی نہیں ڈالتے ::

آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔ صدیوں کی جد وجہد کے بعد آدمی پیدا ہوں گے۔ ہمت نہ ہارو۔ راستی کا ایک لفظ بھی ضائع نہیں جاتا۔ سالہا سال تک یہ دبا رہتا ہے۔ مگر کبھی نہ کبھی دیر میں یا جلدی ضرور چمکتا ہوا نکلتا ہے۔ راستی لازوال ہے۔ نیکی برباد ہونے والی نہیں پاکیزگی تباہ ہونے والی نہیں۔ ایک سچا آدمی مجھے دو۔ میں ہزار جھوٹے آدمیوں کو نہیں چاہتا ::

میرے بچے ہمت رکھو۔ کسی آدمی کی مدد کی خواہش نہ کرو۔ کسی کا سہارا نہ تکو۔ کیا پرماتما سروشکتیمان نہیں۔ کیا وہ تمام دنیا سے زیادہ مدد نہیں پہنچا سکتے۔ ان پر بھروسہ رکھو۔ ان پر وشواس رکھو۔ اور پوتر بننے کی کوشش کرو۔ تم راہ راست پر چل نکلو گے۔ اور کوئی طاقت تمہیں اس راستہ سے ہٹانے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے گی ::

آؤ ہم پرارتھنا کریں۔ پرماتما ہمیں جیوتی کی طرف لے چلیں۔ اندھیرے میں سے ایک کرن پیدا ہو جائے گی۔ اور ہماری رہنمائی کے لئے غیب سے ایک ہاتھ نکل آئے گا۔ آؤ ہم میں سے ہر ایک ان تیس کروڑ گرے ہوئے بھارت باشیوں کے لئے پرارتھنا کریں۔ جن کا مفلسی خون چوس رہی ہے۔ جو کہ پجاریوں کے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں۔ آؤ ہم دن رات ان کے لئے دعا مانگیں۔ میں انہیں دھرم کا اپدیش کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بہ نسبت اعلیٰ رتبہ والوں کے۔ بہ نسبت مالداروں کے میں حکیم نہیں۔ فلاسفر نہیں سادھو نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں اس لئے غریبوں سے مجھے الفت ہے میں نے ان آدمیوں کو دیکھا ہے جنہیں یہاں غریب کہا جاتا ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کتنے لوگ ان کی حالت پر کیا کچھ رحم کھاتے ہیں۔ آہ ہندوستان میں اور یہاں کیسا فرق ہے۔ وہاں ان میں کمزور مرد اور عورتوں کا جو کہ ہمیشہ کے لئے مفلسی میں مبتلا ہیں۔ کسے فکر ہے۔ آہ اس اندھیرے اور گہرے غار میں سے وہ کیسے نکل سکتے ہیں۔ اس بات کی کسے پرواہ ہے نہ انہیں روٹی میسر آتی ہے نہ کپڑا۔ نہ انہیں روشنی ملتی ہے نہ تعلیم کس کو غرض پڑی ہے۔ جو گھر گھر پھر کر انہیں تعلیم دے۔ انہیں اپنا ایشور سمجھو۔ ان ہی کا دھیان کرو۔ ان ہی کے لئے کام کرو۔ ان ہی کے لئے ہمیشہ لگاتار پرارتھنا کرتے رہو۔ اور پرماتما تمہیں راستہ دکھائیں گے۔ جس کا دل ان غریبوں کی قابل رحم حالت دیکھ کر خون ہو جاتا ہے اسے میں مہاتما کہتا ہوں جسے ان کے ساتھ بالکل ہمدردی نہیں جسے ان کا بالکل خیال نہیں۔ اسے میں دُراتما سمجھتا ہوں ؎

آؤ ہم سب یکدل ہو جائیں۔ اور اُن کے لئے لگاتار پرارتھنا کرتے رہیں۔ ہم مر جائیں گے کسی کو پتہ بھی نہ ہوگا۔ کوئی ہمیں روئے گا بھی نہیں۔ کسی کو ہم پر رحم بھی نہ آئے گا۔ خواہ ہم بغیر کچھ کئے مر جائیں۔ لیکن ہمارا ایک خیال بھی ضائع نہ ہوگا۔ اس کا جلدی یا دیر میں کبھی نہ کبھی ضرور اثر ہوگا۔ میرا دل بہت بھر آیا۔ میں اپنے خیالات اب ظاہر نہیں کر سکتا۔ جب تک کروڑوں آدمی بھوک اور جہالت میں مبتلا ہیں۔ تب تک میں اس شخص کو جو کہ پبلک سکولوں میں ان کے روپیہ سے تعلیم پا چکا ہے۔ اور ان کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتا۔ ملکی نمک حرام سمجھتا ہوں۔ میں ان آدمیوں کو جو غریبوں کو پیس پیس کر ان سے روپیہ وصول کرتے ہیں۔ اور زرق برق پوشاکیں پہنتے اور عمدہ لذیذ کھانے کھا کر مزے کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے جو کہ گاؤں میں بھوکے اور ننگے پھرتے ہیں۔ انسانیت میں ان وحشیوں اور جنگلی آدمیوں سے بھی گرا ہوا خیال کرتا ہوں۔ جو کہ انسانوں کو کھا جاتے ہیں مبارک ہیں۔ وہ آدمی جو اپنے بھائیوں کی مدد کرتے ہیں۔ تم بھی کوشش کرو کہ ان پوتر آتماؤں میں شامل ہو سکو۔

تمہارا پیار کرنے والا
وویکانند

۱۴

پیارے
مجھے یقین ہے کہ کوئی قوم یا انسان اپنے آپ کو دوسروں کی

صحبت سے علیحدہ رہ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور جب کبھی بزرگی کے غلط خیال سے یا ناقص پالیسی کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ تو علیحدہ رہنے والے کے حق میں اس کا بہت برا نتیجہ ہوا ہے۔

میرے خیال میں ہندوستان کے زوال کا سب سے بڑا ذریعہ یہ رسم و رواج کی دیوار رہی ہے جو کہ ہندو قوم کے گرد ہے۔ جس کی بنیاد غیروں سے نفرت کرنے پر ہے۔ پرانے زمانہ میں اس کا اصلی منشا یہ رکھا گیا تھا۔ کہ ہندوؤں اور بودھوں میں رابطہ اتحاد قائم نہ ہو۔

چھوا چھوت اور نئی مکاری جا بیجا غلاف چڑھا ہے اس پر چڑھائے نتیجہ اٹل ہے۔ یہ خدائی قانون ہے کہ کوئی شخص اپنے سے نفرت کرنے والے سے الفت نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ہمیں ساری دنیا کی قومیں نفرت سے دیکھتی ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ کیا یہ وہی قوم ہے جو کہ پرانے زمانے میں اور قوموں کی سرتاج مانی جاتی تھی۔ ہماری یا ہستی سے سبق ملتا ہے۔ کہ اس قانون قدرت کے توڑنے سے جیسے ہمارے بزرگوں نے ہی سب سے پہلے دریافت کیا۔ جس پر دنیا میں سب سے پہلے وہ ہی چلے اور جسے انہوں نے ہی بعد میں توڑ ڈالا۔ انسان کیا سے کیا بن سکتا ہے۔ دنیا میں اس ہاتھ سے دے اس ہاتھ سے لے۔ کا سا قانون ہے اگر ہندوستان پھر ایک دفعہ اٹھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا خزانہ لائے۔ اور دوسری قوموں کے آگے پھینک دے۔ اور غیروں سے جو کچھ لینے کے لائق شے ہے اسے حل سکے لینے کے لئے ہر وقت طیار رہے۔ وسعت زندگی ہے

تنگی موت ہے۔ الفت زندگی ہے نفرت موت ہے۔ جب ہم نے دوسری قوموں سے نفرت کرنی شروع کی ہماری موت تب ہی سے شروع ہوئی۔ اور جب تک کہ ہم محبت نہیں کریں گے۔ ہماری موت نہیں رک سکتی۔ کیونکہ فراخ حوصلگی ہی زندگی ہے۔

کیا وہ جو دوسروں کو آزادی دینا نہیں چاہتا آزادی کا مستحق ہو سکتا ہے۔ آؤ ہم مردانہ وار کام کرتے رہیں۔ اور فضول لڑائی جھگڑوں میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص دراصل جس چیز کا مستحق ہے۔ اسے کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ اس کے حاصل کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم جس چیز کے حاصل کرنے کی خواہش کریں۔ اپنے آپ کو اپنے اعمال سے اس کے پانے کے مستحق بھی بنائیں۔ کیونکہ جب تک ہم مستحق نہ ہوں گے۔ ہم کچھ نہیں پائیں گے۔ اور اگر بالفرض محال پا بھی جائیں۔ تب بھی اس پر اپنا قبضہ بحال نہ رکھ سکیں گے۔

(تمہارا صادق وویکانند)

۱۵

جاپان

جاپانی دنیا کی نہایت صاف قوموں میں سے ہیں۔ ان کی ہر ایک چیز نہایت صاف اور ستھری رہتی ہے۔ وہاں کی گلیاں تقریباً سب

ہی سیدھی خوب کھلی ہوئی اور اچھی طرح فرش کی ہوئی ہیں۔ ان کے پنجروں کی مانند چھوٹے چھوٹے صاف مکانات جنہیں کہ ہمیشہ سبز رہنے والے درختوں سے ڈھکی ہوئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں جو تقریباً ہر گاؤں اور قصبہ کے پیچھے نظر آتی ہیں پستہ قد۔ زرد رنگ عجیب وغریب پوشاک پہنے ہوئے جاپانی ان کی حرکات وسکنات طرز۔ طریق۔ ہر ایک بات ایسی بھلی اور من لبھاؤنی معلوم ہوتی ہے۔ گویا کہ ایک تصویر ہے۔

جاپان تصویروں کی سرزمین ہے۔ تقریباً ہر ایک گھر کے پس پشت ایک چھوٹا یا بڑا باغیچہ ہے۔ جو کہ جاپانی فیشن کے موافق چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں۔ گھاس کے تختوں۔ مصنوعی چھوٹے چھوٹے چشموں اور پتھر کے پلوں سے نہایت خوبی کے ساتھ سجا ہوا ہے۔

جاپانی اب زمانہ موجودہ کی ضروریات سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی پلٹن اور فوج نہایت باقاعدہ اور اچھی قواعد جاننے والی ہے۔ ہر سپاہی بندوقوں سے مسلح ہے۔ یہ بندوق جاپانی فوج کے ہی ایک افسر کی ایجاد کی ہوئی ہے جو کہ اپنی عمدگی اور مضبوطی اور مار میں کسی اور بندوق سے دوسرے درجہ پر نہیں وہ اپنی بحری فوج کو برابر ترقی دے رہے ہیں۔ ہم نے ایک سرنگ دیکھی ہے۔ جس کی لمبائی ایک میل کے قریب ہے۔ اور جسے ایک جاپانی انجینئر نے کھودا ہے۔ دیاسلائیوں کے کارخانے ایک قابل دید تماشہ ہیں۔ اور ان کی خواہش ہے کہ وہ ہر ایک چیز کو جس کی انہیں ضرورت ہے۔ اپنے ہی ملک میں تیار کر لیں۔ تاکہ اُن کا روپیہ باہر نہ جانے پائے۔

چین اور جاپان کے درمیان جاپانی سٹیمروں کی ایک کمپنی آمدورفت کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جلد ہی یہ سٹیمر بمبئی سے یوکوہاما تک بھی آنے جانے لگے گا۔

میں نے یہاں بہت سے مندر بھی دیکھے۔ ہر ایک مندر میں چند منتر بنگالی یا سنسکرت حروفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ بعض بعض پجاری سنسکرت بھی جانتے ہیں۔ یہ پجاری بہت ہوشیار اور سمجھ دار معلوم دیتے ہیں۔ ترقی کرنے کا جوش پجاریوں تک میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ جاپانیوں کی نسبت میرے دل میں جو خیالات ہیں۔ وہ میں اس چھوٹے سے خط میں تحریر نہیں کر سکتا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں۔ کہ ہمارے ملک کے کچھ نوجوان۔ ہر سال چین اور جاپان میں آیا کریں۔ خاص کر جاپان میں تو ان کا آنا بہت ہی ضروری ہے۔

اہل جاپان کی نظر میں اب بھی ہندوستان کی قدر و منزلت بہت ہی ہے۔ وہ اسے آپ ہی ہر ایک اعلےٰ اور اچھی چیز کی سرزمین خیال کرتے ہیں۔ لیکن آہ۔ ہم ہندوستانی کیا ہیں۔ محض بدعو۔ جو عمر بھر باتیں بنانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں جانتے۔ شیخی خورو۔ آؤ نوجو۔ ذرا گھر سے نکل کر تو آؤ۔ ان لوگوں کو تو دیکھو۔ مرد بنو اپنے حالت پر شرم سے گردن جھکا لو۔ منہ چھپا لو۔

آؤ۔ آؤ۔ مرد بنو۔ اپنے تنگ و تاریک غاروں سے نکلو۔ باہر نکل کر دنیا کی سیر کرو۔ ذرا دیکھو تو سہی۔ تو میں کس ترقی کے میدان میں بڑھی جا رہی ہیں۔ کیا تمہیں انسان سے محبت ہے؟ کیا تمہیں اپنے ملک سے الفت ہے؟ اگر ہے۔ تو آؤ۔ اچھی اور اعلےٰ چیزوں کے

لئے جدوجہد کرو۔ پیچھے مڑ کر مت دیکھو۔ اپنے عزیز اور پیارے سے پیاروں کے رونے دھونے کی صدا سن کر بھی پیچھے گردن نہ موڑو ان کی طرف نظر نہ کرو۔ بلکہ آگے ہی دیکھتے چلے جاؤ۔

ہندوستان کو کم از کم ایک ہزار نوجوانوں کی قربانی کی ضرورت ہے۔ ایک ہزار نوجوانوں کی۔ دل اور دماغ رکھنے والے انسانوں کی قربانی کی ضرورت ہے۔ انسان حیوانوں کی نہیں۔ مردوں کی ایسے مردوں کی ضرورت ہے۔ جن کے پہلو میں محسوس کرنے والا دل ہو جن کی کھوپڑی میں سوچنے اور سمجھنے والا دماغ ہو۔ پرماتمانے انگریزی سرکار کو تمہاری پرانی تہذیب کے شیشہ کو چکنا چور کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی لئے پرماتما ان کو وہاں سے یہاں لائے ہیں۔ مدراس والو۔ تم نے ہی انگریزوں کو پہلے پہل اپنی سرزمین پر پاؤں رکھنے کی جگہ دی تھی۔ لیکن اب مدراس کتنے بے غرض اور سچے انسان دینے کو طیار ہے۔ تاکہ وہ مرنے یا جینے کے سوال کو سوچ کر نئی حالت پیدا کردیں۔ غریبوں کے لئے ہمدردی۔ بھوکوں کے لئے روٹی۔ اور عام لوگوں کے لئے جو کہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ روشنی پیدا کردیں۔ اور ان انسانوں کو جو کہ ان کے بزرگوں کے جور و ستم کے بدولت حیوانوں سے بدتر حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ جب تک ان کے بدن میں جان اور تن میں پران رہیں سچا انسان بنانے کی کوشش میں لگے رہیں فقط

شری سوامی وویکانند کی تعلیم

ان کی پوزیشن

آج تک دنیا میں بے شمار آدمی ہو گزرے لیکن ان میں سے چند ہی کے پوتر نام انسانوں کے صفحہ دل پہ نقش چلے آتے ہیں۔ بیاس پتنجل کناد۔ گوتم۔ بششٹ۔ بودھ۔ عیسےٰ۔ محمدؐ۔ شنکر۔ دیانند وغیرہ زندہ جاوید بزرگوں کی عزت ان کی تعلیم کی ہی وجہ سے ہے۔ اور ان کی ہستی سے دنیا کو جو جو فائدہ پہنچا ہے۔ اسی کے گیت آج تک گائے جاتے ہیں اور گائے جاتے رہیں گے۔

ناظرین آیئے۔ ذرا سوامی وویکانند جی مہاراج کی تعلیم پہ بھی نظر ڈالیں۔ دیکھیں کہ وہ بطور مذہبی لیڈر کے آئندہ نسلوں کی کس قدر عزت کے مستحق ہیں۔ ہم ذیل کے چند صفحات میں ان کی تعلیم کا لب لباب آپ کے سامنے پیش کریں گے اس کی خوبی اور عمدگی کی نسبت آپ خود اپنی آزاد رائے قائم کریں۔

لیکن پیشتر اس کے کہ ہم ان کی تعلیم پہ غور کرنا شروع کریں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم ان مذہبی سنگھاؤں میں ان کا رتبہ دریافت کریں جنہوں نے وقتاً فوقتاً سچائی کا نور دنیا میں پھیلایا ہے۔ اس بارے میں وہ لکھتے ہیں۔ وہ خود ہی کیا فرماتے ہیں۔

"میری تعلیم اس تشریح پہ مبنی ہے جو کہ میں اپنے گرو کی ڈالی ہوئی روشنی میں پرانے رشی منیوں کے بنائے ہوئے پاک گرنتھوں پہ کی ہے۔ میں کسی انسانی طاقت سے اعلیٰ طاقت کا دعویدار نہیں۔ میری

تعلیم ہیں جو بات غور اور خوض کے کرنے والے آدمیوں کے دل لگے اور جب سمجھدار آدمی اپنے رئے قابل پذیرائی تصور کریں۔ اسے ہی قبول کر لیں یہی میری ان ناچیز کوششوں کا معاوضہ ہوگا۔ سب سے اول تو میں ایسی کسی سند کو نہیں مانتا۔ اور نہ اس کی تعلیم دنیا چاہتا ہوں جو کہ غیب سے کسی شخص کی معرفت آئی ہو۔ اور نہ میں یہ دعوے کرتا ہوں کہ مجھے غیب سے ایسی طاقت حاصل ہے میں کسی فرضی اور خفیہ سوسائٹی کا راز ظاہر کرنے والا نہیں اور نہ میرا یہ یقین ہے کہ ایسے کاموں سے کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ راستی اور صداقت خود اپنی سند ہے اور علم و ہنر کی کسوٹی پہ پرکھی جا سکتی ہے۔"

آپ نے اپنے ایک لیکچر میں فرمایا تھا کہ "میں ان پرانے سوالات پہ نئی روشنی ڈالنے کا دعویدار نہیں۔ میں صرف آپ لوگوں کے سامنے پرانی اور متبرک سچائیاں نئی زبان میں پیش کرنا چاہتا ہوں آپ کے بزرگوں کے پوتر خیالات کو آج کل کی زبان میں آپ کو سنانے کا خواہاں ہوں۔ ان پاک فرشتوں کی تعلیم کو غریب انسانوں کے سامنے ظاہر کرتا ہوں۔ صرف اس لئے تاکہ وہ اسے سمجھ سکیں۔ اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔"

دماغی دنیا کو آپ سے امداد

اب ہم اس بات پہ غور کیا چاہتے ہیں۔ کہ ان کی ذات بابرکات سے غور و خوض کرنے والی اور دماغ اور عقل سے کام لینے والی دنیا

کو کیا کچھ مدد ملی۔ سب سے پہلا خیال جو کہ آپ نے دنیا میں پھیلایا وہ یہ ہے۔ کہ مذہب کی بنیاد بھوت پریت کی پوجا یا اپنے قومی بزرگوں کی پرستش پر نہیں بلکہ حواسوں کی حدود سے باہر نکل جانے کی جد و جہد پر ہے۔ اور جب تک کہ انسان قدرت سے برتر ہو جانے کی جد و جہد میں رہتا ہے وہ انسان ہی رہتا ہے۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ دنیا کے ہر ایک مذہب کے تین حصے ہیں اس کا فلسفہ یا مذہبی معراج۔ حدیث و روایات۔ اور مراسم و رواجات۔ اور اگرچہ اکثر مذاہب کے پچھلے دو حصوں میں اختلاف ہے لیکن پہلا حصہ فلسفہ سب کا تقریباً یکساں ہی ہے اس کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"دنیا کے مذاہب ایک دوسرے کے برخلاف نہیں وہ ایک ہی عالم گیر مذہب کی مختلف صورتیں ہیں۔ تمام عالم میں ایک لامحدود مذہب پھیلا ہوا ہے۔ اور ہمیشہ پھیلا رہے گا۔ اور یہ مذہب اپنے آپ کو مختلف ممالک میں مختلف شکلوں میں ظاہر کر رہا ہے۔ اس لئے ہمیں تمام مذاہب کو عزت کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے انہیں قبول کرنا چاہئے۔ اس عمرانہ کو سمجھنا اور جاننا ہی ہماری طاقتوں سے باہر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک ہی وقت میں مختلف شکلوں کے اندر ظاہر ہو سکتا ہے۔ ہم مختلف نکتہ خیال سے اسے مختلف طور پر جان سکتے ہیں۔ جب ہم اس راز کو سمجھ لیں گے۔ تو مغایرت اور منافقت بالکل دور ہو کر ہماری دنیا کے سب مذاہب سے ہمدردی ہو جائے گی"

ان کا یہ خیال تھا کہ عالمگیر مذہب میں ہر قسم خیالات اور طریق کی گنجائش ہونی چاہیئے۔ اس میں کام کرنے والوں، سوچنے والوں اور بھگتی کرنے والوں کے لئے پوری پوری جگہ ہونی چاہیئے۔ اور اس وجہ سے ان کا خیال تھا کہ ویدانت ہی عالمگیر مذہب ہو سکتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ دنیا کے باقی تمام مذاہب کے نام۔ لامحدود اور لافانی ویدک دھرم میں سما سکتے ہیں۔

بھگتی یوگ میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ دنیا کا ہر ایک فرقہ اور ہر ایک مذہب بنی نوع انسان کے روبرو اپنا ایک ایک خیال پیش کرتا ہے۔ لیکن دائمی ویدک دھرم بنی نوع انسان کے لئے بیشمار راستے کھول دیتا ہے۔ جن کے ذریعے سے وہ اس پار برہم پرماتما کے مندر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور انسانوں کے سامنے بیشمار معراج پیش کرتا ہے۔ جن میں سے ہر شخص اپنی لیاقت اور قابلیت کے موافق کوئی ایک اختیار کر کے اس دائمی سچائی کو حاصل کر سکتا ہے۔

آپ نے بتایا کہ دویت واد۔ وششٹ ادویت واد اور ادویت واد ایک دوسرے کے مخالف نہیں۔ بلکہ جیسا کہ آج تک سمجھا جاتا ہے اس کے برخلاف ایک دوسرے کے موافق اور مددگار ہیں۔ یا یوں کہو کہ ایک ہی خیال کے مختلف پہلو ہیں۔ اس کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ دویت واد یعنی یہ خیال کہ جیو اور برہم (روح اور خدا) دونوں چیز ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اور ادویت واد یعنی پرماتما ہی ہر شے ہے۔ ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ایک ہی

زینہ کی مختلف سیڑھیاں ہیں۔ مذہب ایک تین سیڑھیوں
والا زینہ ہے۔ جس کی پہلی سیڑھی دوئیت واد ہے۔ دوسرا زینہ
وششٹ ادوئیت واد ہے۔ جس میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جیو برہم
کا سایہ ہے۔ تیسرا زینہ ادوئیت واد ہے۔ جس کا یہ اصول ہے کہ
جیو اور برہم ایک ہی چیز ہے جدا جدا نہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا
کہ مذہب صرف اعتقاد کا نام نہیں وہ فرماتے ہیں کہ
وید تین باتیں سکھاتے ہیں۔ اول اپنے ضمیر کی آواز سنو اور
اس پر غور کرو۔ جب کوئی انسان اپنے ضمیر کی آواز سنتا ہے تو
اسے اس پر غور کرنا چاہئے۔ اسے جاننا نہ ضرورت اس پر اعتقاد
نہیں کرنا چاہئے بلکہ عالمانہ طور پر جب اسے یہ معلوم ہو جائیگا
کہ وہ خود کون ہے۔ اسے اس پر وچار کرنا چاہئے۔ اور اسے
اچھی طرح انوبھو کرنا چاہئے۔ یہی مذہب ہے۔ اعتقاد مذہب کا
کوئی حصہ نہیں"

آپ نے فرمایا کہ "سچا مذہب عقل اور علم کی روشنی میں
سمجھا جا سکتا ہے۔ اور انسان کو اس مذہب سے جس میں پوشیدہ
اور خفیہ باتوں کا ذکر ہے جس میں عقل کو بالکل دخل نہ ہو۔ بلیاگ
کی طرح بچنا چاہئے" آپ اپنی راج یوگ میں فرماتے ہیں کہ طاقت
زندگی کی بہترین رہنما ہے۔ ہر ایک دیگر شے کی طرح مذہب میں
بھی ہر ایک ایسی چیز کو جو کہ تمہیں کمزور بنائے فوراً تلانجلی دے
دو۔ اس مذہب کے ساتھ، جس سے تمہاری طاقت میں کمی پیدا
ہو بالکل تعلق نہ رکھو"

آپ روحانی ترقی کے لئے سچے گرو کی ہستی لازمی
خیال کرتے تھے۔ آپ ان کے ہمرائے نہیں تھے۔ جن کا یہ
خیال ہے کہ انسان صرف کتابوں کے مطالعہ سے اپنے روحانی
منزلِ مقصود کو پہنچ سکتا ہے بھٹک گئے ہیں۔ ان کے متعلق
آپ نے اس طرح تحریر کیا ہے۔

"آتما صرف دوسری آتما سے طاقت حاصل کر سکتی ہے
کسی اور چیز سے نہیں۔ ہم خواہ تمام عمر کتابیں پڑھتے رہیں
اور ذہنی و دماغی طور پر بہت لائق ہو جائیں۔ لیکن آخرکار
ہمیں معلوم ہوگا کہ روحانی طور پر ہم جہاں تھے۔ وہاں ہی
ہیں۔ ہم نے کچھ بھی ترقی نہیں کی۔ یہ سچ نہیں ہے کہ ذہنی
و دماغی ترقی اور روحانی ترقی کا آپس میں تعلق ہے۔ اور
جب ذہنی و دماغی ترقی ہوتی ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی روحانی
ترقی بھی ہوتی رہتی ہے۔ کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے
بعض دفعہ ہم اس غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ کہ ہم ان کے ذریعہ
سے روحانی طور پر ترقی کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ہم کتابوں
کے مطالعہ کے اثر پر غور کریں۔ تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ اس کا
اثر زیادہ سے زیادہ ہماری ذہنی اور دماغی طاقتوں پر
پڑتا ہے۔ روحانی ترقی کرنے میں کتابوں کی اس ناقابلیت ہی
کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ ہر کس و ناکس روحانی معاملات پر خوب آسانی
سے گفتگو کر سکتا ہے۔ مگر جب اصلی روحانیت کا یعنی عمل
کا موقع آتا ہے۔ تو ٹائیں ٹائیں فش ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور نہ اپنے

آپ کو نہایت ناقابل پاتا ہے - اس لئے روح کو اعلیٰ تسفی دوسری روح سے ہی ملنی چاہئے - ازاں بعد آپ گرو اور چیلوں کے اصلی اوصاف پر بحث کرتے ہیں - افسوس ہے کہ عدم گنجائش کی وجہ سے ہم اس مضمون پر وضاحت کے ساتھ یہاں پر کچھ تحریر نہیں کر سکتے ہو

مورتی پوجا

کے آپ حامی تھے - آپ کا خیال تھا کہ ہندو مورتی کی پوجا نہیں کرتے بلکہ اس پرمیشور کی پوجا کرتے ہیں - جس کی وہ مورتی قائم مقام ہے - بغیر مورتی بغیر آپ کی رائے میں کوئی شخص جو کہ انسانی حیثیت میں کامل نہیں سچدانند پرماتما کا انوبھو نہیں کر سکتا - آپ نے بھگتی وشے پر لیکچر دیتے ہوئے فرمایا تھا - کہ

"ہم سب پیدائشی بت پرست ہیں - بت پرستی بری نہیں - یہ انسانی ہستی کے اندر قدرتاً بھری ہوئی ہے اس سے کون بچ سکتا ہے - صرف کامل انسان صرف وہ جو کہ خود پرماتما بن جاتے - ورنہ سب مورتی پوجک ہیں"

آپ کی تعلیم کی رو سے دنیا میں ہر شخص اپنی جگہ پر بڑا ہے - ہر شخص کو اپنا کام نیک نیتی سے انجام دیتے رہنا چاہئے - اور دوسروں کو ان کے کام کرنے دینا چاہئے

ایک کو دوسرے کے کام میں نامناسب طور پر دخل نہیں
دینا چاہیئے۔ اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنا معراج
قایم کر لینا چاہیئے۔ اور اس کے حصول کے لئے کوشش کرنا چاہیئے
یہ ترقی کا یقینی راستہ ہے۔ نہ کہ یہ کہ دوسروں کے ادھورے خیالات
کو تہ دل میں جگہ دے کر ڈانواں ڈول طبیعت سے اس پہ کام کیا جائے
ایسا کرنے سے ہرگز بھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی؛

سوشیل رفارمروں کے لئے ان کی نصیحت یہ تھی کہ "تمہارا معراج
اپنے رشیوں کے مقرر کردہ اصولوں کا پرچار کرنا ہونا چاہیئے۔ اور
ہمدردی اور اتفاق کا طریقہ ہونا چاہیئے۔ غیر ملکی سوسائٹیوں کے
اصولوں پہ کام کرنے کی کوشش کرنا فضول ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ
تم ہمیں توڑ موڑ کر دوسری قوموں کی مانند بنا سکو۔ میں غیر قوموں کے
رسم و رواج کو برا نہیں کہتا۔ وہ ان کے لئے اچھے ہیں۔ مگر ہمارے
لئے نہیں۔ جو شئے ان کے واسطے خوراک ہے وہ ہمارے لئے زہر ہو
سکتی ہے۔ یہ پہلا سبق ہے جو کہ ہمیں ذہن نشین کرنا چاہیئے۔ ان کے
موجودہ رسم و رواج کی بنیاد میں مختلف رسوم مختلف آچار اور مختلف
روایات ہیں۔ اور ہمارے رسم و رواج کی بنیاد میں ہزار ہا سال سے اور
ہی آچار۔ وچار اور روایات چلی آتی ہیں اس لئے قدرتاً ہمارا
میلان طبع اور طرف ہے۔ اور ان کا اور طرف۔ اس لئے ہمیں
اپنے ہی میلان کی طرف راغب ہونا مناسب ہے"؛

ان کا یقین تھا کہ سب سوسائٹی صرف ایک سچے اصول پہ کام
کر سکتی ہیں۔ وہ اصول یہ ہے کہ ہر ایک کو کام کرتے اور سوچنے کی

پوری پوری آزادی دی جائے۔ لیکن صرف اس وقت تک جب
تک کہ وہ دوسروں کی آزادی میں مخل نہ ہوں۔ آپ نے
اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے کہ میرا خیال ہے کہ کمینہ سے کمینہ اور
غریب سے غریب آدمی کے دروازے تک بھی وہ پاک خیالات
پہنچائے جائیں۔ جو کہ بنی نوع انسان نے ہندوستان میں اور
ہندوستان سے باہر اب تک دریافت کئے ہیں۔ تاکہ وہ خود اپنے
رائے ان کے مطابق سوچ سکیں۔ ذات پات کا جھگڑا ہو یا نہ ہو
عورتوں کو پوری پوری آزادی دی جائے۔ یا نہ دی جائے۔ میرا
اس سے کچھ تعلق نہیں۔ سوچنے اور کام کرنے کی آزادی ہر ایک
کی زندگی۔ ترقی اور بہبودی کے لئے لازمی ہے۔ جس انسان قوم یا
ملک کو یہ آزادی حاصل نہیں یہ لابدی ہے۔ کہ وہ انسان قوم یا
ملک آج یا کل تحت الثریٰ کو پہنچ جائے۔ ذات ہو یا نہ ہو۔ فرقہ
بندی ہو یا نہ ہو۔ کوئی آدمی۔ فرقہ۔ جماعت ذات قوم یا مذہب جو کہ
کسی شخص کے سوچنے اور کام کرنے کی آزادی کو دباتا ہے۔ اس
صورت میں جب کہ وہ آزادی دوسروں کی آزادی میں مخل نہیں
تو وہ آدمی فرقہ جماعت ذات قوم غرضیکہ جو کچھ بھی ہے وہ
شیطانی ہے اور اسے ضرور نیست و نابود ہونا چاہیئے۔ ذات
کے بارے میں آپ کا خیال تھا کہ اس کا خیال یک لخت دلوں سے
دور ہو جانا۔ اور سب ذاتوں کا نیست و نابود ہو جانا ناممکن اور محال
ہے۔ اسے دور کرنے کا مناسب راستہ یہ نہیں کہ برہمنوں کو نیچ
بنا دو بلکہ یہ ہے کہ نیچی ذاتوں کو دو یا ڈیڑھ کا کر اعلیٰ بنا دو۔ اپنشدوں

کے زمانے سے لے کر آج تک ہمارے سب بڑے رشی منیوں نے ذات پات کے بندھنوں (اصلی اور قدرتی بندھنوں کو نہیں بلکہ بناوٹی بندھنوں) کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ اور اب بھی ان میں جو تھوڑی بہت بھلائی نظر آتی ہے۔ وہ اصلی ہے۔ اور سب خرابیوں کو دور کر کے اس بھلائی کو قائم رکھنا چاہئے۔

غیر ممالک کے سفر کے متعلق آپ نے اس خیال کی نہایت زور سے تردید کی ہے کہ شاستروں میں سمندر پار کا نشیدھ ہے اور یہ ہماری روحانی ترقی کے لئے مضر ہے۔ آپ فرماتے ہیں ہمارا ہندوستان سے باہر کی دنیا کے بغیر گزارا نہیں۔ جتنا زیادہ تم ہندوستان سے باہر جا کر غیر ممالک میں سفر کرو گے۔ اور وہاں کے باشندوں سے رابطہ اتحاد پیدا کرو گے اتنا ہی تمہارے ہندوستان کے لئے مفید ہے۔ وسعت زندگی کی علامت ہے یا تو ہمیں باہر جا کر دنیا میں پھیل جانا چاہئے۔ اور اپنے آپ کو زندہ ثابت کرنا چاہئے یا ذلت میں رہ کر گھر ہی میں سڑ کر مر جانا چاہئے۔ ان دو صورتوں کے سوا تیسری اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی ؛

ہندو دھرم کی حد بندی کے بارے میں سوامی جی نہایت زور دار الفاظ میں کہتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں کو جو کہ اس حد سے باہر ہو گئے ہیں۔ اور پھر واپس آنا چاہتے ہیں۔ ضرور اپنے ساتھ شامل کر لینا چاہئے۔

عورتوں کی گری ہوئی حالت کے متعلق آپ کا خیال تھا کہ یہ بودھ دھرم کی بدولت ہے۔ اور عورتوں کی بہبودی کو

بہتری کے سوال کو ہمیں انہیں کے ہاتھ میں دے دینا چاہئے
آپ نے فرمایا ہے کہ "عورتوں کی سب مشکلات تعلیم سے حل ہو سکتی
ہیں" مگر اصلی اور سچی تعلیم کا خیال ابھی تک ہم میں پیدا بھی نہیں
ہوا۔ اس کا مطلب طاقتوں کی ترقی ہے نہ کہ کتابوں کا مطالعہ یا
آسانی کے ساتھ لکھائی اور پڑھائی۔ اس لئے ہندوستان میں ضرورت
ہے کہ بے خوف اور باہمت عورتیں پیدا ہوں۔ جو کہ سنجوگتا لیلا اور
سیتا جیتیں اور ان کا نام فخریہ طور پر اپنی زبان سے نکال سکیں۔
ایسی عورتیں پیدا ہوں جو کہ اپنی ایثار نفسی۔ قربانی اور ارادہ کی
مضبوطی کی بدولت بہادر اور دلیر بچوں کو اپنے گھر میں تیار
کر سکیں۔ یہ ایثار نفسی قربانی اور ارادہ کی مضبوطی صرف پرماتما
کے چرن کمل کی بدولت اور ان کی لامحدود طاقتوں پر وشواس
رکھنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ دوسری طرح نہیں۔
تعلیم کے بارے میں آپ کی نصیحت ہے کہ ہمیں اپنے نوجوانوں
کی تعلیم اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور روحانی تربیت
کی ضرورت کو اچھی طرح محسوس کرنا چاہئے۔ آپ کی زندگی کی بڑی
خواہش قومی یونیورسٹی دیکھنا تھی۔ جو کہ افسوس ہے آپ کے
سامنے قائم نہ ہو سکی۔ کاش کہ آپ آج تک زندہ رہتے اور اپنی
اس دلی خواہش کو پورا ہوتے ہوئے بھی دیکھ لیتے۔
عوام کی گری ہوئی حالت کو آپ بہت محسوس کرتے تھے آپ
کا خیال تھا کہ ہندوستان میں سب سے بڑا اور سب سے پہلا کام
یہ ہونا چاہئے کہ عوام کی حالت کو بہتر کیا جائے۔ اور گری ہوئی

قوموں کو اٹھایا جائے۔ جو قومیں کہ آج کل ذلیل اور رذیل سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں اعلےٰ درجہ کی قوموں کے برابر سمجھا جائے اور سوسائٹی نے جو نامعقول رکاوٹیں ان کے راستہ میں پیدا کر رکھی ہیں انہیں دور کر دیا جائے اور ادنےٰ طبقہ کے آدمیوں کو بھی ترقی کرنے کا پورا پورا موقعہ دیا جائے۔ آپ نے اس بارے میں اپنے ایک خط میں تحریر کیا تھا۔ کہ "ہادر کہو قوم جھونپڑوں میں رہتی ہے۔ لیکن افسوس کہ کوئی آدمی ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور ان کی بہتری کے خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا۔ ہمارے ریفارمر بد ہواؤں کے بواہ کے نکمہ میں غلطاں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میں ہر طرح کی اصلاح کا حامی ہوں اور اس اصلاح سے بھی مجھے پوری پوری ہمدردی ہے۔ لیکن یہ میں ضرور کہوں گا۔ کہ قوم کی قسمت کی وارد مدار بدھواؤں کو خصم کرانے پر نہیں بلکہ عوام کی حالت سدھارنے پر ہے۔ کیا تم ان کی حالت بہتر بنا سکتے ہو۔ کیا تم انہیں ان کی گم شدہ ہستی واپس دلا سکتے ہو۔ کیا مذہبی اعتقادات کی رو سے پکے ہندو رہتے ہوئے بھی تم انہیں اپنے برابر بنا سکتے ہو۔ اور انہیں کام کرنے کی پوری پوری اجازت دے سکتے ہو یہ سب کام ہمیں اور تمہیں ہی کرنا ہے۔ اور ہم ہی انہیں کریں گے ہم ہی یہ کام سر انجام دینے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اپنے اوپر وشواس رکھو۔ اپنی طاقتوں پر بھروسہ کرو۔ اس اتم وشواس اور اپنی ذات پر بھروسہ رکھنے کی بدولت ہی بڑے بڑے کام سر انجام پاتے ہیں آگے بڑھو۔ آگے بڑھو!! جب تک جان ہے گرے ہوئے اور پیروں میں کچلے جاتے ہوئے بدقسمتوں کے ساتھ ہمدردی کرو

عوام کی حالت کو بغیر اُن کے مذہبی خیالات کو نقصان پہنچائے بہتر کرنا اپنا فرض اولین قرار دو۔ پرماتما تمہاری مدد کریں گے اور تمہاری محنتیں سپھل ہونگی۔ وغیرہ وغیرہ

کہا جاتا ہے کہ آپ گوشت خوری کے پکے حامی تھے

آپ نے اس کے متعلق ایک خط میں تحریر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اہنسا پرم دھرم ہے لیکن جب تک کیمیاوی طور پر ترقی پاتے ساگ سبزی کافی طور پر انسانی جسم کے لئے مفید نہ ہو جائیں۔ گوشت خوری کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ جب تک کہ موجودہ حالت میں چست اور چالاک زندگی بسر کرنا انسان کے لئے ضروری ہے تب تک گوشت خوری کے بغیر گزارہ نہیں۔

آپ کا یہ پکا یقین تھا۔ کہ جب تک ہماری مادی حالت درست نہیں ہوگی۔ ہماری پورانی تہذیب قائم نہیں رہ سکتی۔ مفلسی ہی ہندوستان کی سب سے بڑی بیماری ہے اور اسے فوراً اور ہمیشہ کے لئے دور کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ آپ نے اس بارے میں اپنے ایک خط میں اس طرح تحریر کیا ہے:۔

"اس حد درجہ کی مفلسی اور ناداری کی بدولت ہندوستان اور چین کی تہذیب گویا گری ہوئی حالت ہے۔ معمولی ہندو یا چینی اپنی روزانہ ضروریات کے فکر میں اس قدر غلطاں پیچاں ہیں کہ وہ نون تیل لکڑی کے سوا اور کسی چیز کا خیال ہی نہیں کر سکتے"

آپ کی رائے میں یہ اشد ضروری ہے کہ تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ عوام کی حالت بھی سدھرتی جائے۔ تاکہ جو ترقی وہ کریں وہ مکمل ہو

پایدار ہو۔ آپ کی رائے میں خیراتی سکولوں سے کبھی یہ وقت حل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ غربا اپنے چھوٹے بچوں کو دن میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے سکول میں بھیجنے کی نسبت ہلوں اور کھیتوں پہ یا اور کسی کاروبار میں ان سے دو چار پیسے کی مدد لینا مفید خیال کریں گے۔

تقاریر سوامی ویکانند جی

ہندو دھرم

(شکریہ بجواب خیر مقدم)

(تقریر جو کہ آپ نے مذہبی کانفرنس واقعہ شکاگو واقعہ ۱۸۹۳ء کے موقعہ پہ کی)

صاحبان جس گرمجوشی اور دلی انس و محبت کے ساتھ آپ نے ہمارا خیر مقدم کیا ہے۔ اس کے جواب میں کھڑا ہوتے ہوئے جو خوشی اور مسرت میرے دل میں پیدا ہوئی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ میں اس کے لئے آپ کا صفحہ ہستی کے سب سے پرانے گوشہ نشین سادھوؤں کے سلسلہ کی طرف سے اس پاک سرزمین کی جانب سے جو کہ تمام مذاہب کی ماں اور مہربان ہونے کا فخر کر سکتی ہے۔

اور تمام ہندوجاتی کی طرف سے بالتخصیص ذات و قومیت شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں ان مقرر صاحبان کا بھی تشکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں اس پلیٹ فارم سے آپ کے روبرو یہ بیان کیا ہے۔ کہ یہ دور دراز کی قوموں کے آدمی جو یہاں پہ موجود ہیں۔ بہت خوبی کے ساتھ اپنے اپنے ملکوں میں غیر مذاہب کے برداشت (ٹالریشن) کا خیال لے جا سکتے ہیں۔ صاحبان! مجھے فخر ہے کہ میں ایک ایسے مذہب سے تعلق رکھتا ہوں جس نے دنیا کو غیر مذاہب کی برداشت اور عالمگیر عام مقبولیت کا سبق پڑھایا ہے۔ ہم صرف عالمگیر برداشت پہ ہی اعتقاد نہیں رکھتے۔ بلکہ سب مذاہب کو سچا سمجھتے ہیں۔ ہاں میں ایک ایسے مذہب سے تعلق رکھتا ہوں جس کی پاک زبان وسنسکرت میں علیحدگی (ایک کلوشن) کا کوئی ترجمہ ہی ٹھیک طور پہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے ناز ہے کہ میں ایک ایسی قوم سے واسطہ رکھتا ہوں۔ جس نے دنیا بھر کے دیگر مذاہب اور دیگر اقوام کے ستائے ہوئے اور بھگائے ہوئے مظلوموں کو اپنی گودی میں جگہ دی ہے ہم نے ہی بنی اسرائیلوں (یہودیو) کے پاک سے پاک اور اعلےٰ سے اعلےٰ نسل خاندانوں کو اپنی چھاتی سے لگایا تھا۔ وہ اسی سال وہاں سے بھاگ کر جنوبی ہندوستان میں آکر ہمارے پاس پناہ گزین ہوئے تھے۔ جب کہ ان کے متبرک مندر اور زیارت گاہیں رومن ظلم وستم کے نیچے چکنا چور ہو رہے تھے۔"

میں اس مذہب سے تعلق جس نے زردشتی نبی کے پیروؤں

کو اپنی پناہ میں لیا تھا۔ اور جو کہ اب بھی ان کو اپنے سینہ میں جگہ دے رہا ہے“

بھائیو میں آپ کے سامنے چند سطور اس بھجن کی دہرانا چاہتا ہوں۔ جس کو میں نے بچپن سے یاد کیا ہے۔ اور جس کا صرف میں ہی نہیں بلکہ لاکھوں ہندو ہر روز بلا ناغہ ورد کرتے ہیں۔ اس میں آتا ہے۔ کہ۔۔۔ ۔۔۔ ”جیسے مختلف ندیاں مختلف مقامات میں بہتی ہوئی اپنے پانی کو سمندر میں جا ملاتی ہے۔ اسی طرح ہے پربھو۔ مختلف راستہ جو کہ انسان مختلف خواہشوں اور رغبتوں کی وجہ سے اختیار کرتا ہے ظاہرا مختلف معلوم ہونے کے باوجود بھی سیدھے ہیں یا گھوم گھام کر آپ ہی تک پہنچتے ہیں“

مہا مان یہ پارلیمنٹ بھی جو کہ اپنی قسم کی انجمنوں میں سب سے زیادہ مضبوط اور زبردست ہے۔ نہایت خود اس مسئلہ کی سچائی کی جس کا گیتا نے پرچار کیا۔ ایک بین مثال ہے۔ گیتا میں آتا ہے۔ جو کوئی بھی میرے پاس آتا ہے۔ میں چاہے کسی راستے سے اس کے پاس پہنچتا ہوں۔ وہ سب مختلف طور پر ایسے راستوں میں کوشاں ہیں جو کہ آخر میں مجھ تک ہی پہنچتے ہیں۔

عرصہ سے فرقہ بندی۔ تعصب اور ان کے ہیبت ناک اولاد بغض و نخوت وغیرہ نے اس خوبصورت دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے انہوں نے ہی دنیا کو ریاکاری اور تشدد سے بھر دیا۔ اور اکثر صفحۂ عالم کو انسانی خون سے رنگ دیا ہے۔ ان کی ہی بدولت تہذیب اور شائستگی کا ستیاناس ہوا۔ اور اکثر قوم کی قوم کو مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اگر یہ خوفناک طاقت اس طرح قابو نہ پا جاتی۔ تو انسانی جماعت
کی حالت آجکل کی نسبت بدرجہا زیادہ ترقی پذیر ہوتی۔ لیکن اس کا
بھی آخر وقت ہی آگیا۔ اور مجھے امید کامل ہے۔ کہ جو گھنٹا آج
اس پارلیمنٹ کے انعقاد کی عظمت میں بجا ہے۔ وہ اس کے تعصب
اور تنگ دلی اور ان مغایرانہ خیالات کی موت کا اعلان کرتا ہے جن کا
کہ ایک ہی منزل مقصود کی طرف جانے والے مختلف فرقے ایک دوسرے
کے خلاف زبان یا قلم کے ذریعہ اظہار کیا کرتے ہیں:-

ہندو دہرم عالمگیر دہرم

دنیا میں اس وقت تین مذہب پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں جو کہ زمانہ
تاریخ سے بھی پہلے سے چلے آتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ ہندو دہرم، زرتشتی
یا پارسی دہرم۔ اور یہودی دہرم۔ ان میں سے ہر ایک کو بڑے بڑے
دھکے سہنے پڑے۔ اور ان سبھوں نے ہی ان سب صدمات کو برداشت کر کے
اپنی مضبوطی اور پختگی کا پورا پورا ثبوت دے دیا۔ لیکن جب کہ یہودی دہرم عیسائی
دہرم کو ہضم کرنے کے ناقابل ثابت ہوا۔ اور اس کی فاتح عالم لڑکی نے
اسے اس کی جنم بھومی سے نکال کر باہر کر دیا۔ اور زرتشتی مذہب کا بقیہ
بھی صرف ایک لاکھ کے قریب پارسی ہی ملتے ہیں۔ جو کہ اس مہا دہرم
کی مہانتا کی گواہی دیتے ہیں۔ بھارت میں مت کے بعد مت اور فرقے
بعد فرقے ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے کہ اپنے زور شور کے وقت میں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں کے تہذیب دھرم کی جڑ تک کو ہلا دیا ہے۔ لیکن وہ خود بھی پانی کی ان لہروں کی مانند ثابت ہوئے جو کہ زلزلہ کے بعد سمندر کے کناروں پر نہایت زور شور سے اٹھتی ہیں۔ اور آگے بڑھکر پھر ہٹ جاتی ہیں۔ اور سمندر میں ہی مل جاتی ہیں بالکل اسی طرح یہ مت متانتر بھی کچھ عرصے اپنا زور شور دکھا کر اپنی جنم داتا ماتا میں ہی شامل ہو گئے ہیں۔

ویدانت درشن کے اعلےٰ ترین روحانی نکتوں سے لے کر موجودہ سائنس کی تازہ ترین معلومات صرف جنگلی گونج ہی معلوم دیتے ہیں۔ بودھ دھرم کی مادہ پرستی اور جین دھرم کی ناستکتا سے لے کر بت پرستی قبر پرستی اور مختلف قسموں کی دیومالاؤں تک ان میں سے ہر ایک کے لئے ہندو دھرم میں گنجائش ہے۔ اور سب کو جگہ دی گئی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ان سب کا ایک خاص مرکز کہاں ہے یہ سب قطرے کس خاص مرکز کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ ایک خاص بنیاد کونسی ہے۔ جس پر یہ سب ایک دوسرے سے ظاہرا برعکس اور متضاد اصول والے مت متانتر قایم ہیں۔ صاحبان اب آگے میں آپ کے اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کرونگا۔

وید مقدس کے بارے میں چند الفاظ

ہندؤں کو ان کا مذہب وید مقدس کے الہام کے ذریعہ ملا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ وید مقدس زمانے کے لحاظ سے ازلی اور ابدی

ہیں اور ہمیشہ چلے آئے ہیں۔ اور ہمیشہ تک رہیں گے۔ یہاں حاضرین کو یہ بات خلاف عقل اور مضحکہ خیز معلوم دیتی ہو گی۔ کہ کس طرح ایک کتاب ازلی اور ابدی ہو سکتی ہے۔ لیکن صاحبان۔ ویدوں سے کوئی کتاب مقصود نہیں ہے۔ ویدوں سے روحانی قوانین کا وہ جمع شدہ خزانہ مقصود ہے۔ جس کا کہ مختلف وقتوں میں مختلف پاک شخصوں پر اظہار ہوا ہے۔ جیساکہ کشش ثقل کا قانون اپنی دریافت سے پیشتر بھی ایسا ہی موجود تھا۔ جیساکہ اب ہے۔ اور اگر بنی نوع انسان اسے اب بھی کبھی پھر بالکل بھول جائے۔ تب بھی ویسا ہی قایم رہے گا اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل واقع نہ ہوگا۔ بالکل اسی طرح ان قوانین کا مجموعہ ہے جو کہ روحانی دنیا پہ حاوی ہیں۔ جن کے درمیان اخلاقی۔ اخلاقی۔ روحانی رشتے۔ اور جیو کا پرم پتا پرماتما سے رشتہ یہ سب اپنی دریافت سے پیشتر ہی جوں کا تیوں قایم تھا۔ اور اگر ہم اسے بھول بھی جائیں تب بھی یہ ویسا ہی قایم رہے گا۔

ان قوانین کے دریافت کرنے اور تلقین کرنے والے رشی کہلاتے ہیں۔ اور ہم لوگ ان کو مکمل انسان سمجھ کر ان کے متبرک نام کی عزت کرتے ہیں۔ صاحبان میں آپ کے سامنے یہ اظہار کرنے پر بہت ہی خوش ہوں کہ ان رشیوں میں جو بہت ہی برگزیدہ ہیں ان میں سے چند عورتیں بھی ہیں۔

یہاں اب یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ قوانین بطور قوانین کے تو ازلی ابدی ہو سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی تو ان کی کبھی نہ کبھی ابتدا ماننی ہی پڑے گی۔

صاحبان۔ وید منتروں میں یہ بتاتے ہیں۔ کہ یہ سرشٹی اناذی اننت ہے۔ سائنس نے بھی یہ بات ثابت کر دی ہے۔ کہ دنیا کے اندر کل طاقت جو سب صورتوں میں کام کر رہی ہے۔ اس کی مقدار ایک ہی نہیں بنی رہتی ہے۔ اور اس میں کسی طرح کی کمی اور بیشی نہیں ہوتی۔ اگر کبھی ایسا وقت بھی تھا۔ جب کہ کچھ بھی نہیں تھا۔ تو صاحبان یہ سب طاقت جس کا آجکل دنیا میں ظہور ہو رہا ہے۔ کہاں تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نہایت ہی لطیف اور سوکشم حالت سے پرماتما میں موجود تھی۔ لیکن پھر پرماتما ہی کبھی اور کبھی ٹھیرتا ہے جس سے کہ وہ تبدیلی پذیر قرار دیا جاتا ہے۔ ہر ایک تبدیل ہونے والی چیز مرکب ہوتی ہے اور ہر ایک مرکب چیز میں وہ تبدیلی لازمی ہے۔ جس کو کہ بربادی کہتے ہیں۔ اور اس طرح پرماتما بھی مرنے والی اور برباد ہونے والی ہستی ہو جاتا ہے۔ جو کہ بالکل لغو سی بات ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ کبھی بھی ایسا کوئی وقت نہیں تھا۔ جب کہ سرشٹی موجود نہ ہو۔

صاحبان۔ اگر آپ مجھے ایک مثال استعمال کرنے کی اجازت دیں تو میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ سرشٹا (خالق) اور سرشٹی (مخلوقات) دو خطوط متوازی ہیں۔ جن کا نہ کہیں شروع ہے نہ آخیر وہ ایک دوسرے کے برابر برابر چلی جا رہی ہے۔ پرماتما ایک شکتی اور طاقت ہے۔ ایسی طاقت جو کہ ہمیشہ کام میں مصروف ہے۔ جس کی بدولت نظام کے بعد نظام اور سلسلہ کے بعد سلسلہ منتشر اور بکھری ہوئی حالت سے ظہور میں آتے ہیں ایک عرصہ مقررہ تک اپنا اپنا کام اور دورہ پورا کرتے ہیں پھر جس حالت سے ظاہر ہوتے تھے۔ اسی میں چلے جاتے ہیں۔

یہ خیال ہے جیسے ہندو لڑکا اپنے گرو کے ساتھ روزمرہ وہار تا ہے۔ (اصل منتر سورج اور چاند پہ مانتا ہے اور اور سورجوں اور چاندوں کے بعید پہلے کی مانند بناتے ہیں" اور یہ ہی خیال سائنس کے ہی مطابق اور موافق ہے ۔

ہستی کی تعریف

میں یہاں کھڑا ہوں۔ اور میں اپنی آنکھیں بند کر کے اپنی ہستی کا خیال کرتا ہوں "میں" "میں" "میں"۔ کیا خیال میرے روبرو پیش ہوتا ہے جسم کا خیال۔ تو کیا میں صرف جسم ہی ہوں کیا میں صرف مادہ اور مادہ کی بنی ہوئی چیزوں کا ہی مرکب ہوں۔ وید مقدس جواب دیتے ہیں "نہیں" میں جیو ہوں جو کہ اس جسم میں رہتا ہے۔ میں جسم نہیں ہوں جسم مر جائے گا مگر میں نہیں مرونگا۔ یہاں میں اس جسم میں ہوں۔ اور جب یہ جسم چھوٹ جائیگا تب بھی میں زندہ ہی رہونگا۔ میرا ایک گزرا ہوا زمانہ بھی ہے۔ جیو آتما یعنی روح عدم سے وجود میں نہیں آئی۔ نیستی سے ہست نہیں ہوئی ہے کیونکہ بنانے کے معنے ملانا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ پھر بھی کبھی یہ بگڑے گا۔ اور اس کے اجزا الگ الگ ہونگے۔ اس سے اگر روح کبھی بنائی گئی ہے۔ تو یہ بگڑے یعنی مرے گی بھی ضرور۔ لیکن چونکہ سب اس کو مرنے والی نہ مانتے ہیں۔ اس لئے یہ کبھی بنائی ہی نہیں گئی۔ بعض روحیں خوشحال پیدا ہوئی ہیں۔ انہیں پوری پوری

تندرستی حاصل ہے۔ خوبصورت جسم انہیں ملا رہے ہے دماغی طاقت نصیب ہوتی ہے۔ ان کی ہر ایک ضرورت آسانی سے پوری ہو جاتی ہے۔ بعض جن سخت بدحال ہیں کسی کے ہاتھ نہیں کسی کے پاؤں نہیں۔ کوئی سخت بیوقوف اور دیوانہ ہے۔ نہایت مصیبت اور تکلیف سے اپنی زندگی کے دن پورے کرتا ہے۔ کیوں اس کی کیا وجہ ہے۔ اگر وہ سب روحیں بنائی گئی ہیں تو ایک منصف اور رحیم خدا نے ایک کو ایسا خوش اور دوسرے کو ایسا مصیبت زدہ کیوں کیا۔ یا وہ ایسا رعایت پسند اور طرفداری کرنے والا کیوں ہے اگر یہ کہا جائے کہ وہ جو کہ اس زندگی میں مصیبت اور تکلیف جھیل رہے ہیں۔ آئندہ کسی اور زندگی میں آرام اور آسائش حاصل کریں گے تو اس سے بھی ہمارا سوال حل نہیں ہوتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ایک منصف اور رحیم خدا کی خدائی میں یہاں ہی لوگوں کے تکلیف اور اذیت برداشت کرنے کی کیا وجہ ہے۔

یہ خیال ہمیں اس کی کوئی وجہ نہیں بتا سکتا۔ بلکہ اس کام کو ایک زبردست ہستی کا جابرانہ کام ظاہر کرتا ہے۔ اور اس لئے سائنس کے خلاف ہے۔ چنانچہ کسی آدمی کو خوشحال یا بدحال بنانے کے لئے اس کی پیدائش سے بھی پہلے وجوہات کا ہونا لازمی ٹھہرتا ہے۔ اور یہ وجوہات اس کے پہلے جنم کے اعمال ہیں۔

آپ کہیں گے کہ دل و دماغ اور جسم کی تمام رغبتیں اور خواہشیں والدین سے وراثتاً حاصل کی ہوئی کیوں نہ سمجھی جائیں۔ لیکن یہ دو مساوی خطوط کے مانند ہیں۔ ان میں سے ایک دماغی وراثت ہے۔ اور دوسری جسمانی۔

دماغی (مانسک) وراثت

اگر مادہ اور اس کی صورتوں کی تبدیلی ہی جو کچھ ہمیں حاصل ہے اس کا سبب ہو سکتی ہے۔ تو پھر روح کی ہستی فرض کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن یہ بھی تو ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سوچنے کی طاقت بھی مادہ ہے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اگر فلسفانہ وحدانیت اٹل ہے، تو روحانی وحدانیت بھی از روئے منطق ثابت ہو سکتی ہے اور اسی کی ضرورت بھی ہے۔ لیکن ابھی اس پر بحث کرنا ضروری نہیں ہے۔

ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ ہم بہت سی خواہشات اور رغبتیں ورثہ کے طور پر اپنے والدین سے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن وہ تمام رغبتیں جسمانی ہی ہوتی ہیں۔ جن کی بدولت ایک خاص دماغ ہی ایک خاص طریقے پر کام کر سکتا ہے۔ لیکن روح کی خاص رغبات اس کے پچھلے جنم کے کرم کی ہی وجہ سے ہوتی ہیں۔

ایک روح جیسے ایک خاص رغبت ہوتی ہے۔ ایسے ہی جسم میں جنم لے گی۔ جہاں پر کہ اسے اپنی اس رغبت کی تکمیل کرنے کا پورا پورا موقع مل سکے۔ یہ خیال سائنس سے ہی مطابقت رکھتا ہے۔ کیونکہ سائنس ہر چیز کو عادت کے طور پر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ عادت کسی کام کے بار بار کرنے کا نتیجہ ہے تو یہ اس کے لئے نئی پیدا ہوئی روح کی پیدائشی عادتوں کی تشریح کے لئے ان کاموں کا بار بار کیا جانا ہی لازمی ہے۔ یہ عادتیں اس موجودہ زندگی میں حاصل نہیں کی گئیں۔ اس لئے یہ گذشتہ

زندگیوں سے ہی آئی ہونگی ؎
اب ایک سوال اور ہے۔ کہ میں اپنے گذشتہ جنموں کی کوئی بات یاد کیوں نہیں کر سکتا۔ اس کا آسانی سے جواب دیا جا سکتا ہے اب میں انگریزی بول رہا ہوں۔ یہ میری مادری زبان نہیں۔ سچ پوچھو تو اس وقت میری یادداشت میں میری مادری زبان کا ایک لفظ بھی موجود نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ یادداشت دماغی سمندر کی صرف بالائی سطح کا ہی کا نام ہے۔ اور اس کی گہرائیوں میں ہمارے تمام تجربے جمع ہیں۔ کوشش اور جد و جہد کرو۔ اور وہ اوپر اٹھتے چلے آئیں گے اس طرح تم اپنی گذشتہ زندگی کے تجربات کو بھی یاد کر سکو گے ؎

گذشتہ کی یاد

یہ سیدھی اور سچی شہادت ہے۔ مثال کسی مسئلہ کی تائید میں پورا ثبوت ہے۔ اور اس بارے میں ہمارے رشی تمام دُنیا کے مقابلے سے بڑھے ہوئے کار رہتے ہیں۔ ہم نے ایسے ایسے خفیہ اصول دریافت کئے ہیں جنکی مدد سے یادداشت کے سمندر کی گہری سے گہری تہہ بھی چھان ماری جا سکتی ہے۔ ان اصولوں کی پیروی کرو۔ اور تمہیں اپنی گذشتہ زندگی کی پوری پوری یاد آجائے گی ؎

حاصل کلام یہ کہ ہندو اپنے آپ کو آتما سمجھتا ہے۔ اسے تلواریں کاٹ سکتی۔ آگ نہیں جلا سکتی۔ پانی نہیں گلا سکتا۔ ہوا نہیں سکھا سکتی ایک ہندو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ہر ایک آتما ایک ایسا دایرہ ہے جسکا

محیط دنیا میں کہیں بھی نہیں۔ اور جس کا صرف مرکز ہی ہے۔ اور مرکز جسم ہے موت اس مرکز کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں تبدیل ہونے کا ہی نام ہے۔

وہ مانتا ہے۔ کہ آتما مادہ کی مختلف صورتوں کے بس میں نہیں رہ سکتا۔ اس کا خاص خاصہ آزادی ہے۔ یہ لامحیط۔ پاک۔ صاف اور مکمل ہے۔ لیکن کسی نہ کسی طرح اس نے مادہ سے تعلق پیدا کر لیا ہے۔ اور یہ اپنے آپ کو غلطی سے مادہ ہی سمجھ بیٹھا ہے۔

آزاد۔ مکمل اور پاک ہستی مادہ کے جال میں کیسے پھنسی؟ مکمل آتما میں یہ بھول کیسے پیدا ہوئی۔ کہ وہ غیر مکمل ہے؟ ہم سے کہا گیا ہے۔ کہ ہندو اس سوال سے گھبراتے رہے ہیں۔ اور اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ کہ اس کے بارے میں اس قسم کا سوال نہیں کیا جا سکتا۔ بعض غور و فکر کرنے والے اس سوال کا جواب دیتے ہیں ایک یا ایک سے زیادہ نصف مکمل ہستیوں کی ہستی کو فرض کر لیتے ہیں۔ اور اس خلا کو بھرنے کے لئے انہیں موٹے موٹے اصطلاحی نام دیتے ہیں۔ لیکن نام دینا اور تشریح کرنا ایک ہی بات نہیں۔ سوال جوں کا توں قائم رہتا ہے۔ مکمل نصف مکمل کس طرح ہو سکتا ہے۔ پاک اور کامل کے سوا اس میں رتی بھر کی بھی تبدیلی کا ہو جانا کس طرح ممکن ہے؟

ہندو راستباز ہیں۔ وہ مکاری کی اوٹ میں پناہ لینا پسند نہیں کرتے۔ وہ مردانہ طور پر سوالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور جس بات کو وہ نہیں جانتے۔ صاف کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ہیں نہیں جانتا کہ مکمل آتما کس طرح اپنے آپ کو نامکمل اور ساد

سے ملا ہوا پا گہرا اٹھا ہوا سمجھنے لگا۔ لیکن باپ ہمہ راست راست ہی ہے۔ اس راستی کا ہر شخص کو علم ہے کہ وہ اپنے آپ کو جسم سمجھتا ہے ہم اس کی تشریح کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ "میں کیوں ہوں" میری روح اس جسم میں کیوں ہے۔ یہ جواب کہ "یہ خدا کی مرضی ہے" کوئی جواب نہیں۔ یہ جواب اس جواب سے کہ "ہمیں معلوم نہیں" کسی طرح بھی بہتر اور بڑھ کر نہیں؟

روح کی دائمیت

اچھا یہ تو ثابت ہو گیا کہ روح مدام۔ لافانی۔ مکمل اور لامحدود ہے اور موت مرکز کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں تبدیلی ہونے کو ہی کہتے ہیں۔ حال ہمارے گذشتہ اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور آئندہ ہمارے موجودہ اعمال پر مبنی ہوگا۔ روح جنم۔ جنم اور موت موت میں آگے بڑھتی اپیچھے ہٹتی چلی جائے گی۔ طوفان میں جو حال ایک چھوٹی سی کشتی کا ہوتا ہے وہی حال اس کا ہے۔ ایک لمحہ میں جھاگ جھگیلی لہریں آکر اس کشتی کو اوپر اٹھا دیتی ہیں۔ دوسرے لمحہ میں اسے نیچے لے جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ روح بھی اپنے برے بھلے اعمال کی بدولت آگے پیچھے بڑھتی اور ہٹتی ہے یہ اپنے برے بھلے کاموں کی وجہ سے کاریہ کارن اور علت و معلول کی ہروں کی بدولت ان کا نیک و بد پھل پانے کے لئے بالکل مجبور اور بے بس ہے یہ ایک چھوٹے سے جھینگے کی مانند ہے۔ جو کہ کاریہ کارن کے پہیہ پر بیٹھا ہوتا ہے۔ اور یہ پہیہ برابر آگے کو بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جو کچھ اس کے

راستہ میں آتا ہے۔ کچلا جاتا ہے۔ اسے بیواؤں کے آہ و نالہ پر دیا ہے نہ یتیموں کی گریہ وزاری پر رحم آتا ہے۔

ایسا خیال کرتے ہی دل ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن قدرت کا قانون ویسا ہی ہے۔ تو کیا پھر کوئی امید نہیں؟ اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں؟ یہ آواز ہے جو کہ ایک مایوس دل سے نکلتی ہے۔ اس دیا مئے دین دیال پربھو کے دربار تک پہنچتی ہے۔ اور وید جاننے والے رشیوں کے ذریعہ ایک امید بندھانے والی اور تسلی دینے والی صدا آتی ہے۔ جو دنیا میں یہ خوشخبری دیتی ہے۔ "امرت اور آنند مئے پترو سنو تم بھی جو کہ اعلےٰ طبقہ میں رہتے ہو۔ سنو۔ میں نے وہ راستہ پا لیا ہے۔ میں نے اس اجر امر آچین سناتن پرماتما کو ڈھونڈھ لیا ہے۔ جو کہ سب پرکار کے اگیان اور اودیا روپی اندھیروں سے اور سب طرح کے شک وشبہ سے پرے اور الگ ہے۔ اور صرف اسی ایک کو جان کر تم بھی موت سے بچ سکتے ہو۔"

"امرت اور آنند مئے پترو" اہا کیسا امید پیدا کرنے والا نام ہے۔ بھائیو مجھے اجازت دو کہ میں تمہیں اس پیارے نام سے پکاروں "دیو انسانیت اور سرور کے وارثو"۔ ہندو تمہیں گنہگار کہہ کر پکارنے سے انکار کرتے ہیں۔

پربھو کی سنتان

تم سب پربھو کی سنتان ہو۔ خدا پاک کے بیٹے ہو۔ اور اس امرت

آنند اور لافانی سرور کے حقدار ہو۔ گنہگار رو تم گنہگار نہیں۔ تم
پرتھوی پر دیوتا روپ ہو۔ تم زمین پر فرشتہ ہو۔ انسان کو گنہگار
لکھنا ہی گناہ ہے۔ یہ انسانیت کی سخت ہتک ہے۔ شیر بن اٹھو۔ اور یہ
خیال اپنے دل سے دور کر دو کہ تم بھیڑ ہو۔ تم تو اجر امر آتما ہو۔ تم تو
لافانی روح ہو۔ تم تو آزاد۔ متبرک اور ہمیشہ قائم رہنے والے ہو۔
تم مادہ نہیں ہو۔ تم یہ شریر اور جسم نہیں ہو۔ مادہ تمہارا غلام ہے
تم مادہ کے غلام نہیں۔ یہ اعلان ہے جو کہ دید بھگوان مشتہر کرتے
ہیں۔ یہ کبھی معاف نہ کرنے والے قوانین کا خوفناک مجموعہ نہیں نہ
ہی علت معلول اور کاریہ کارن کا ہمیشہ رہنے والا اور کبھی ختم نہ
ہونے والا جیل خانہ ہے۔ وہ ایسے تمام قانون قدرت سے بالاتر
بتاتے ہیں۔ وہ ایسے مادہ اور طاقت کے ذرہ ذرہ میں سمایا ہوا کہتے
ہیں وہ ایک ہے۔ اسی کے حکم سے ہوا چلتی ہے۔ آگ جلتی ہے بادل
برستے ہیں۔ اور موت اپنا کام کرتی ہے" اس کے گن گاتا ہیں ؛

وہ سب جگہ ہے۔ پاک ہے۔ بے شکل ہے۔ ایک ہے سمجھ
کر سکنے والا ہے۔ اور سب پر رحم کرنے والا ہے"۔ تو ہی ہمارا پتا ہے۔
تو ہی ماتا ہے۔ تو ہی ہمارا پیارا دوست ہے۔ تو ہی ہماری سب طاقتوں
کا ذریعہ ہے تو ہی وہ ہے جو کہ سب دنیا کے بوجھ کو برداشت کرتا ہے ہے
پربھو تو ہی میری مدد کر تا کہ میں اس زندگی کے بوجھ کو برداشت کر دوں
وید دل کے رشی ایسے گیت گایا کرتے تھے۔ ہم اس کی دعا کیسے کریں
بھگتی سے پریم سے۔ محبت سے۔ اس کی پوجا ایسی کرنی چاہیے جیسے
سچا عاشق اپنے معشوق کی کرتا ہے۔ اسے اپنی اس زندگی اور آئندہ

زندگی کی سب چیزوں سے زیادہ پیارا اور عزیز سمجھنا چاہئے ۔ یہ بھگتی مارگ ہے۔ جس کی ویدوں نے تعلیم دی ہے۔ آؤ ہم دیکھیں کہ بھگوان سری کرشن چندر مہاراج نے جنہیں ہندو خدا کا اوتار خیال کرتے ہیں۔ اس کی کیا تشریح کی ہے اور کیسے تلقین کی ہے ۔

شری کرشن بھگوان کی تعلیم

انہوں نے بتایا ہے کہ انسان کو دنیا میں کنول کے پتے کی مانند رہنا چاہئے ۔ اگرچہ پانی میں ہی پیدا ہوتا اور پرورش پاتا ہے۔ لیکن پانی سے کبھی تر نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسان کو دنیا میں رہتے ہوئے اس سے الگ رہنا چاہئے۔ اور ہاتھ سے سب کام کرتے ہوئے بھی من کو پرماتما میں لگائے رکھنا چاہئیے ۔

اس یا کسی اور دنیا میں بدلا اور انعام پانے کی غرض سے پرماتما سے محبت کرنا اچھا ہے ۔ لیکن پرماتما سے صرف محبت کے واسطے محبت کرنا اور پریم کے لئے پریم کرنا ۔ اس سے بھی بہتر ہے ۔ پرارتھنا ہے۔ پر بھو ۔ مجھے دولت نہیں چاہئے ۔ بچے نہیں چاہئیں ۔ علم نہیں چاہئے ۔ اگر تیری مرضی ہو ۔ ہزار نرک کے نرکھ اور ہزار دوزخ کی بڑی دوزخ میں بھی چلا جاؤں لیکن مجھ پہ یہ کرپا کر کہ میں تجھ سے محبت اور پریم کرنے میں کسی بدلے کی خواہش نہ رکھوں ۔ صرف بے غرض ہو کر محبت کے لئے محبت اور پریم کی خاطر پریم کروں ۔

بھگوان کرشن کے ایک شاگرد کو جو کہ اس وقت ہندوستان کا
مہاراجہ تھا۔ دشمنوں نے تخت سے بھگا دیا۔ اور اسے اپنی مہارانی
سمیت ہمالیہ کے جنگلوں پناہ لینے کی ضرورت پڑی۔ ایک دن مہارانی
نے اپنے پتی سے پوچھا۔ مہاراج آپ جیسے دھرماتما جس سے زیادہ دھرمی
دنیا میں شاید کوئی بھی نہ ہوگا۔ یہ مصیبت کیوں برداشت کرنی پڑتی ہے۔
یدھشٹر مہاراج جواب دیتے ہیں۔ مہارانی۔ ہمالیہ کو دیکھو۔
کیسا مہان اور سندر ہے۔ مجھے اس سے پریم ہے۔ وہ مجھے کچھ نہیں دیتا
لیکن میری عادت ہی یہ ہے کہ میں مہان اور اعلےٰ سے محبت کرتا ہوں۔
سندر اور خوبصورت سے پریم کرتا ہوں۔ اسی رنگ میں اس سے بھی پریم اور محبت کرتا
ہوں۔ اسی طرح میں پرماتما سے پریتی کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ مہان سے
مہان اور سندر سے سندر ہیں اور سب بڑائی اور خوبصورتی کے ماخذ ہیں۔
میرا سوبھاؤ ان سے محبت کرنا ہے۔ اور اسی رنگ میں مجھے ان سے الفت
ہے۔ میں کسی چیز کی خواہش سے پرارتھنا نہیں کرتا۔ میں ان سے کچھ
مانگتا نہیں۔ جہاں ان کا جی چاہے۔ مجھے رکھیں۔ مجھے پریم کے کارن
ان سے پریم کرنا چاہئے۔ میں پریم پریتی میں سودا اور دکانداری نہیں
کر سکتا۔

روح کی خدائی

وید بتاتے ہیں کہ روح خدائی ہے۔ صرف یہاں مادہ کی غلامی میں
پھنس رہی ہے۔ اس غلامی سے آزادی پاتے ہی وہ اپنے کمال کو پا جاتی ہے۔

اس کمال کے حصول کے لئے وہ مکتی کا لفظ استعمال کرتے ہیں مکتی کے معنی آزادی۔ ناکمالیت سے آزادی۔ موت اور مصیبت سے رہائی کے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں۔ کہ یہ بند صرف پرماتما کی کرپا سے ہی ٹوٹ سکتے ہیں۔ اور یہ کرپا ان ہی پر ہوتی ہے۔ جو شدھ اور نیک ہیں۔ اس لئے اس دیا اور کرپا کا مستحق ہونے کے لئے شدھ صفائی اور نیکی لازمی شرائط ہیں۔ وہ کرپا کام کس طرح کرتی ہے۔ وہ شدھ من والے پر پرگٹ ہوتی ہے۔ اور شدھ اور پوتر آدمی ہی پرماتما کے درشن کر سکتے ہیں ہاں اس زندگی میں بھی انہیں درشن مل جاتا ہے۔ اور تب صرف تب ہی دل کا تمام ٹیڑھا پن دور ہو جاتا ہے۔ اور تمام شک و شبہات اڑ جاتے ہیں تب انسان کا یہ کارن اور علت و معلول کے قانون کا نتیجہ ہی نہیں بنا رہتا۔ یہ ہندو دھرم کا مرکز ہے۔ یہی ہندو دھرم کا سب سے زبردست خیال ہے۔ ہندو صرف الفاظ اور مسئلہ مسائل پر ہی قانع رہنا نہیں چاہتا اگر مادہ اور مادہ کی معمولی پیدا کی ہوئی اولاد کے علاوہ کوئی اور خلقت ہے۔ تو وہ اس سے دو بدو روبرو ہونا چاہتا ہے۔ اگر اس کے اندر روح ہے جو کہ مادہ کی بنی ہوئی نہیں۔ تو وہ سیدھا براہ راست اس تک پہنچنا چاہتا ہے۔ وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔ اور تب ہی اس کے ہر شکوک رفع ہو سکتے ہیں۔ اس لئے سب سے بڑا ثبوت جو کہ ہندو رشی آتما اور پرماتما کی بابت دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ میں نے روح کو دیکھا ہے۔ میں نے پرماتما کا درشن کیا ہے۔

صرف یہی حالت کمالیت کی حالت ہے ہندو دھرم کسی ایک مسئلہ پر یا کسی ایک خیال پر یقین دلانے کی کشمکش یا کوششوں کا دھرم نہیں

یہاں صرف جانا جاتا ہے۔ مانا نہیں جاتا۔ یہاں ہوا اور ہو کر دکھایا جاتا ہے صرف سنایا ہی نہیں جاتا۔

ہندؤں کا دہرم

اس لئے ہندو دہرم جنم جنمانتر کی اس کشمکش اور کوشش کا ایک اٹوٹ سلسلہ ہے۔ جو کہ روح مکمل ہونے خدائی صفات حاصل کرنے پر ماتما تک پہنچنے اور ان کے درشن کرنے کے لئے کرتا ہے۔ اور اس طرح پرماتما تک پہنچنا ان کے درشن کرنا مکمل ہاں ان جیسا ہی مکمل ہونا ہندو دہرم کی علت غائی ہے۔

جب ایک انسان مکمل ہو جاتا ہے۔ تب اس کا کیا ہوتا ہے؟ وہ ایک لامحدود مسرت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ پرم آنند کو پراپت ہو جاتا ہے جس چیز کو پاکر انسان کو سچی خوشی اور پوری راحت حاصل ہونی چاہئے اسے یعنی پرماتما کو پاکر وہ پرماتما کے ساتھ اس خوشی اس راحت اور اس آنند کا لطف اٹھاتا ہے۔

یہاں تک ہندؤں کے سب ست متا متر ہم رائے ہیں۔ یہ بات سب ہندو مانتے ہیں۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کمال لامحدود ہے مکمل ہستی ایک سے زیادہ دو یا تین نہیں ہو سکتی۔ اس کا کوئی گن نہیں ہو سکتا۔ وہ نرگن ہوگا۔ وہ کوئی شخصیت نہیں ہو سکتا۔ اس طرح جب ایک آتما مکمل اور لامحدود ہو جاتی ہے۔ یہ لازمی ہے کہ وہ برہم یعنی پرماتما سے ملکر ایک ہو جائے۔ اور ایسی ہی آتما پرماتما کے کمال اپنی

ہستی اور طاقت کی سچی اصلیت لامحدود ہستی۔ لامحدود علم اور لامحدود زندگی جان اور محسوس کر سکتی ہے ہم نے بارہا پڑھا اور سنا ہے۔ کہ ایسا ہو جانا اپنی شخصیت کو معدوم کر کے بے جان یا پتھر اینٹ کی مانند ہو جانا ہے۔ یہ کیا کچھ اچھی حالت ہے؟ سچ ہے ؎

گھائل کی گت گھائل جانے اور نہ کوئی جانے
جا پگ کا نٹا نہ ہو لاگا سو کیسے دکھ مانے

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ نہیں۔ دیکھیئے اگر اس چھوٹے سے جسم کو اپنا سمجھنے سے آپ کو آنند حاصل ہوتا ہے۔ تو دو جسموں کو اپنا ماننے سے لازمی طور پہ زیادہ خوشی محسوس ہوگی اور اسی طرح تین چار پانچ کی بات سمجھ لیجئے۔ بس خوشی کی آخری حد تک انسان اس وقت پہنچیگا جب کہ اسے تمام سنسار ہی اپنا جسم معلوم ہوگا۔

لامحدود شخصیت

اس لیئے ایسی عالمگیر شخصیت حاصل کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ اس مصیبت بھری چھوٹی سی شخصیت کا خیال چھوڑ دیا جائے۔ تب ہی موت سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ جب کہ میں زندگی کے ساتھ مل جاؤں تب ہی مصیبت سے رہائی ہو سکتی ہے۔ جب کہ میں راحت کے ساتھ ایک ہو جاؤں تب ہی سب قسم کی غلطیاں دور ہو سکتی ہیں۔ جب کہ مجھ میں اور علم میں کچھ بھی فرق نہ رہے۔ یہی ایک لازمی علمی اور سائنٹیفک نتیجہ ہے سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ جسمانی ہستی وہم ہے۔ بیر یہ

Kanshi Nath Trisal

جسم در اصل مادہ کے لامحدود سمندر میں ایک ہمیشہ تبدیل ہونے والی چھوٹی سی چیز ہے۔ اسی طرح میرے دوسرے حصہ یعنی من کے متعلق بھی یہ ادویت واد یا مسئلہ وحدانیت لازمی طور پر قایم کیا جا سکتا ہے ٭

سائینس کچھ بھی نہیں صرف اس وحدانیت کی تلاش ہے جونہی کہ کوئی سائینس اس مکمل وحدانیت تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح علم کیمیا میں جب کوئی ایسا جز مل جائیگا۔ جس سے سب دوسری چیزیں نکل سکیں۔ تو علم کیمیا کی اس سے آگے ترقی نہیں ہو سکے گی۔ علم طبعیات کی ترقی رک جائے گی جب کہ کوئی ایسی ایک طاقت معلوم ہو جائے گی جس سے کہ دوسری تمام طاقتیں نکلی ہوں اور وہ طاقتیں صرف اسی ایک طاقت کے اظہار کی مختلف صورتیں ہوں ٭

اسی طرح علم مذہب اس وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ وہ اس کا پتہ لگا لیتا ہے۔ کہ اس موت کی دنیا میں ایک سچی زندگی ہے۔ جو کہ اس ہمیشہ ردل بدل ہونے والے سنسار میں ایک ہی نہ بدلنے والی بنیاد ہے جو کہ صرف ایک ہی ایسی آتما ہے جس کا کہ دوسری آتمائیں صرف مختلف طور پر اظہار ہونے والی صورتیں ہیں۔ اور صرف یہی سب علموں اور ودیاؤں کی آخری منزل ہے ٭

خلقت نہیں اظہار

یہ لازمی اور ضروری ہے کہ سب سائینس اور تمام علوم آخر کار ایسی نتیجہ

تک پہنچیں۔ آج کل کی سائینس کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ دنیا خلقت نہیں بلکہ قدرت کا اظہار ہے۔ یعنی کسی طاقت نے اسے نہایت خوشی میں نیست سے ہست نہیں کیا۔ بلکہ لطیف صورت سے کثیف صورت دی ہے ہندو یہ معلوم کر کے نہایت خوش ہیں کہ یہ اعتقاد جس کو وہ صدیوں سے اپنے کلیجہ میں لئے ہوئے ہیں آج کل کی سائینس کی تازہ ترین معلومات سے پایۂ ثبوت کو پہنچ کر زیادہ زور دار الفاظ میں پھیلایا جا رہا ہے

اب ہم نا واقفوں کے خیالات سے اتر کر جاہل اور مورکھوں کے مذاہب کی طرف آتے ہیں۔ سب سے پہلے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں بہت سے دیوتاؤں کی پرستش کا طریقہ (پولی تھیزم) بالکل ہی نہیں ہر ایک مندر میں اگر کوئی کھڑا ہو کر اور دھیان لگا کر سنے تو اسے معلوم ہوگا کہ پوجا کرنے والے اپنے اشٹ دیو کی مورتی کو بیانتہا کے تمام گنوں کا گٹھی اور خدا کی سب صفتوں کا موصوف مانتے ہیں یہاں تک کہ دنیا سے سرب دیاپک اور سب جگہ حاضر ناظر بھی کہتے ہیں۔ کیا یہ بہت سے خداؤں کا ماننا (پولی تھی ازم) ہے نہیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ گلاب کو چاہے کسی نام سے پکارو۔ اس کی خوشبو ویسی ہی شیریں اور دل خوش کن رہے گی۔ نام اور تشریح ایک ہی چیز نہیں اس میں بہت فرق ہے مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آتا ہے ایک عیسائی ہندوستان میں ایک جگہ وعظ کر رہا تھا۔ بہت سے آدمی کھڑے ہوئے اس کے اپدیش کو سن رہے تھے۔ وہ لوگوں سے کچھ کچھ سوال بھی کرتا جاتا تھا۔ اور اور سوالات میں اس نے یہ سوال بھی کیا۔ کہ اگر میں تمہارے بت کو اپنی لکڑی مار کر توڑ دوں تو وہ کیا کر سکتا ہے۔ سننے والوں میں سے ایک

نے فوراً جواب دیا۔ اگر میں تمہارے خدا کو گالی دوں تو وہ ہی کیا کر سکتا ہے۔ واعظ نے جواب دیا۔ جب تم مر جاؤ گے تو خدا تمہیں اس کی سزا دے گا۔ اس دیہاتی نے جواب دیا۔ اسی طرح ہمارا دیوتا بھی جس کی وہ مورت ہے مرنے پر تمہیں سزا دے گا۔

درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ جب میں ان لوگوں میں جنہیں دنیا بت پرست اور مورتی پوجک کہتی ہے۔ ایسے ایسے آدمی دیکھتا ہوں جن کے اخلاق روحانیت اور محبت کا مقابلہ کر سکنے والے انسان مجھے دنیا کے کسی اور حصہ میں نظر نہیں آتے۔ تو میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا گناہ سے بھی پاکیزگی پیدا ہو سکتی ہے

تعصب کا منہ کالا

وہم انسان کا دشمن ہے۔ لیکن تعصب اس سے بھی بڑی بلا ہے ایک عیسائی گرجا میں کیوں جاتا ہے۔ صلیب کا نشان متبرک کیوں سمجھا جاتا ہے؟ دعا کے واسطے آسمان کیطرف منہ کیوں کیا جاتا ہے؟ کیتھولک چرچ میں اس قدر مورتیاں کیوں ہیں؟ پروٹسٹنٹوں کے دماغ میں دعا کرتے وقت اتنی مورتیاں کیوں بھری رہتی ہیں؟ کیونکہ صاحبان جیسے ہم ہوا کے بنا زندہ نہیں رہ سکتے۔ ویسے ہی ہم بغیر کسی مادی صورت کے کسی چیز کا دھیان نہیں کر سکتے قانون اتحاد کے مطابق مادی صورت ہی دماغی خیال کو اوپر اٹھاتی ہے۔ اور دماغی خیال مادی صورت کو سامنے لے آتا ہے یہ سب دیا پاپ ہونا لغو ہے گا تمام دنیا میں کچھ بھی معنی نہیں رکھتا کیا خدا کی بھی کوئی

بیرونی یا سطحی وسعت ہے۔ اگر نہیں تو جب ہم سرب وِیاپک لفظ کو منہ سے نکالتے ہیں۔ تو ہمارے دل میں صرف وسعت زمین کا ہی خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور بس ہمیں معلوم ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح غالباً فطرتاً ہی جب ہم لفظ لامحدود کا خیال کرتے ہیں۔ تو ساتھ ہی ہمیں نیلگوں آسمان کا یا سمندر کا دھیان آجاتا ہے۔ اسی طرح بعض اپنے پاکیزگی کے خیالات کو گرجا مسجد یا صلیب کے ساتھ ملحق کر دیتے ہیں۔ جیسا ان کے دل میں مسجد گرجا یا صلیب کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ تو فوراً اُن کے خیالات پاکیزگی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ہندو نے بھی اپنی شُدھ ستتائی یوتر تائی۔ سچائی اور سرو ویاپکتا وغیرہ وغیرہ کے خیالات کو مختلف قسم کی مورتوں اور صورتوں کے ساتھ واصل کر دیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا۔ کہ اور تو اپنی تمام زندگی کو ایک گرجا یا مسجد کی مورتی کے ساتھ ملحق کر دیتے ہیں۔ اور اوپر اٹھنے کی کوشش تک بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک صرف دماغی طور پر چند مسئلہ مسائل کا مان لینا اور اپنے ہم خیالوں کے ساتھ نیکی کرنا ہی مذہب کہلاتا ہے۔ لیکن ہندوؤں میں صرف جاننے اور پہچاننے اور غور کرنے کو ہی مذہب کہتے ہیں۔ انسان صرف اس خدائی طاقت کو پہچان کر اور اس کا دھیان کر کے ہی اس کی سب طاقتوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس لئے مورتی ہو یا مندر مسجد ہو یا گرجا۔ صلیب ہو یا کتاب سب اس روحانی بچپن کے زمانے کے ذرائع اور مددگار ہیں اور انسان کو ان سب چیزوں کو چھوڑ کر آگے بڑھتے چلے جانا چاہیئے۔

کہیں نہ ٹھہرو

اسے کہیں بھی نہ ٹھہرنا چاہیے۔ وید بھگوان کہتے ہیں کہ بیرونی پوجا یعنی مادہ کی پوجا اوپر اٹھنے کی کوشش میں سب سے نچلی منزل ہے دل ہی دل میں پرارتھنا اور اپاسنا۔ دعا اور مناجات دوسری منزل ہے لیکن سب سے اونچی اور بالاترین منزل وہ ہے جب کہ پرماتما کو جان لیا جاتا ہے۔ اور اس کا ساکشاتکار کر لیا جاتا ہے۔ دیکھو وہی آدمی جو کہ مورتی کے آگے ماتھا رگڑ رہا ہے۔ کہتا ہے (اصلی منتر ہے) اسے سورج چمک کر ظاہر نہیں کرسکتا۔ نہ چاند۔ ستارے۔ اور نہ بجلی ہی اسے دکھا سکتی ہے۔ نہ آگ میں ہی یہ طاقت ہے۔ یہ سب اسی کی بدولت ہی چمک دمک رہے ہیں۔ وہ مورتیوں کی نندا نہیں کرتا۔ نہ انہیں گنہگار بناتا ہے۔ وہ اس میں اپنی زندگی کی ایک ضروری منزل پہنچاتا ہے۔ کیونکہ بچہ ہی آدمی کا باپ ہے۔ کیا کسی بوڑھے آدمی کا یہ کہنا کہ بچپن یا جوانی گناہ ہے۔ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اور مورتی پوجا نہ مذہب کے لئے کوئی ضروری اور لازمی چیز بھی نہیں ہے ٭

اگر کوئی انسان مورتی کی مدد سے اپنی خدائی طاقتوں کو نہایت آسانی سے جان سکتا ہے۔ تو کیا اس کے ایسا کرنے کو گناہ کا نام دینا ٹھیک ہے۔ اور نہ ہی اس کو جب کہ وہ اس درجے سے گزر جائے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے اس کام کو اپنی غلطی یا حماقت خیال کرے۔ ہندوؤں کے خیال میں انسان غلطی سے راستی کی طرف نہیں بڑھتا۔ بلکہ ایک راستی سے دوسری راستی کی طرف جاتا ہے۔ ایک ادنیٰ درجے کی سچائی سے اعلیٰ درجے کی سچائی تک

پہنچتا ہے۔ اس کے نزدیک تمام مذہب۔ ادنیٰ سے ادنیٰ بہت پرجا
سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ وحدانیت تک اس لامحدود طاقت کو جاننے
کے لئے انسانوں کے مختلف درجات کی کوشش ہیں جس میں سے اور
ان کوششوں میں ہر ایک کوشش پیدائش اور سوسائیٹی کے مختلف
حالتوں میں رہ کر اور ان سے متاثر ہو کر کی گئی ہے۔ اس لئے ان مذاہب میں
سے ہر ایک مذہب ترقی کی ایک منزل ہے۔ اور ہر ایک روح عقاب کے بچے
کی مانند اوپر ہی اوپر چڑھنے کی کوشش میں پرواز کرنے والی ہے۔
اور یہ اپنی اس پرواز میں جتنا اوپر اٹھتی جاتی ہے۔ اتنا ہی طاقت حاصل
کرتی ہے۔ یہاں تک کہ آخرکار اس شاندار سورج تک پہنچ جاتی ہے جو کہ سب
طرح کی روشنیوں کا منبع ہے۔

مسئلہ اور عقیدہ

اختلافات میں یکسانیت خدائی قدرت کا ایک خاصہ ہے۔ اور ہندو
اس کو اچھی طرح جانتے اور مانتے ہیں۔ دوسرے مذاہب خاص خاص مسائل
و عقائد مقرر کر دیتے ہیں۔ اور سوسائیٹی پر ان کا ماننا لازمی ٹھیراتے ہیں۔
وہ سوسائیٹی کے لئے صرف ایک ناپ کا کوٹ رکھتے ہیں۔ جو کہ امر زید بکر
خالد سب کے ہی موزوں اور ٹھیک آنا چاہئے۔ اگر وہ زید بکر یا کسی اور
کے بدن کے مطابق نہیں تو وہ ننگے ہی پھریں۔
ہندوؤں نے معلوم کیا کہ لامحدود صرف کسی محدود ہستی کے مقابلہ میں رکھ کر
کے خیال، غور یا بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی تمثیلاً صلیب یا ہلال۔ ان روحانی خیالات

کے جمع کرنے کے مرکز ہیں یا یوں کہو کہ کھونٹیاں ہیں جن میں وہ مذکورہ بالا کوٹ لٹکائے گئے ہیں۔ اکثر آدمیوں کے لئے یہ مدد بھی ضرور نہیں۔ لیکن وہ جنہیں ان کی احتیاج نہیں انہیں یہ کہنے کا بھی کوئی حق یا مجاز نہیں کہ دوسروں کے واسطے بھی جن کو ان کی ضرورت ہے۔ یہ غیر ضروری۔ فضول یا غلط ہیں÷

میں آپ سے ایک اور ضروری بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہندوستان میں مورتی پوجا کوئی خوفناک چیز نہیں یہ ناشستہ عورتوں کی ماں نہیں۔ بلکہ خلاف اس کے یہ نامکمل اور خام دماغ والے انسانوں کی کوشش ہے جو کہ وہ اعلےٰ روحانی سچائیوں کے جاننے کے لئے کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں میں یہ نہیں کہتا۔ کہ ہندو بے عیب ہیں۔ ان میں عیب اور کمزوریاں بھی ہیں۔ لیکن یاد رکھو وہ سب کمزوریاں اور عیب اپنے ہی لئے ہیں۔ ہندو اپنے ہی جسم کو تکلیف اور ایذا دینے والے ہیں ہمسایوں کا گلا کاٹنے والے یا کٹوانے والے نہیں۔ اگر ہندو مذہبی دیوانے اور مجذوب اپنے آپ کو جتنا ہی چتا میں جلا دیتے ہیں تو کیا ہوا۔ دوسروں پر تو کفر کا فتوا لگا کر اور انہیں نہیں پھونکتے۔ جیسے کہ جادوگرنیوں کے زندہ جلائے جانے کا عیسائی مذہب ذمہ وار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ویسے ہی ہندوؤں کی مذکورہ بالا کمزوریاں بھی کسی طرح ہندو دھرم کی کمزوری نہیں کہی جا سکتی ہیں +

ہندوؤں کے لئے تمام مذہبی دنیا ایک سفر ہے۔ جو کہ مختلف مرد اور عورتیں مختلف حالات میں اور مختلف قوموں سے ایک ہی منزل مقصود کی طرف کر رہی ہیں۔ ہر ایک مذہب مادی انسانیت سے خدائی

طاقتوں کا اظہار کرنے والا ہے۔ اور وہی ایک خدا ان سب کا منبع ہے پھر اس قدر اختلافات کیوں نظر آتے ہیں۔ ہندو جواب دیتا ہے کہ یہ اختلاف صرف ظاہری اور بیرونی ہیں۔ ایک ہی سچائی کے مختلف صورتوں اور حالتوں میں گزرنے سے یہ اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔

تمام مذاہب میں خدا کی ہستی

یہ ایک ہی روشنی ہے جو کہ مختلف رنگوں سے ظاہر ہوتی ہے اور مختلف موقعوں کے لحاظ سے یہ چھوٹے چھوٹے فرق لازمی اور ضروری ہیں۔ لیکن ہر چیز کے اندر ایک سچائی جھلکتی ہے۔ مہاتما نے کرشن اوتار میں ہندوؤں کو بتایا ہے۔ جیسے مالا کے دانوں میں تاگا پرویا ہوا ہوتا ہے۔ ویسے ہی میں ہر مذہب میں موجود ہوں اور جہاں کہیں بھی تو کسی غیر معمولی پاکیزگی اور غیر معمولی طاقت کو بنی نوع انسان کو پاکیزہ تر بناتے ہوئے دیکھے سمجھ جا کہ میں وہاں ہی ہوں"

اس تعلیم کا اثر کیا ہے۔ یہ کہ تمام سنسکرت فلسفہ میں سے کوئی شخص بھی ایک نقطہ ایسا بھی نہیں نکال سکتا جس کا یہ مطلب ہو کہ صرف ہندو ہی نجات اور مکتی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور نہیں میں یہ دعوے کرتا ہوں اور کوئی شخص مقابلے میں آ کر میرے اس دعوے کو باطل نہیں کر سکتا ہمارے ویو فرماتے ہیں۔ کہ ہماری اپنی ذات اور ہمارے اپنے دھرم سے باہر بھی مکمل آدمی ملتے ہیں۔ اب تم یہ سوال کر سکتے ہو کہ ایسا ہوتے ہوئے کس طرح کوئی ہندو جو کہ دل و جان سے ایشور کا معتقد اور ماننے والا ہے

بُدھ دھرم پر جو کہ مادہ پرست ہے۔ یا جین دھرم۔ پر جو کہ ناستک ہے
اعتقاد رکھ سکتا ہے ۔

بدھ دھرم اور جین دھرم کی تمام طاقت اس مرکزی اور اعلےٰ سچائی
پیصرف ہوئی ہے۔ کہ انسان میں خدائی صفات کا ظہور کیا جائے اور یہی ہندوؤں
کی زبردست خواہش ہے۔ انہوں نے پرم پتا کو نہیں دیکھا۔ مگر اس کے امرت
پتر کو تو دیکھ لیا ہے۔ اور جس نے بیٹے کو دیکھ لیا ہے۔ اس نے باپ کو بھی دیکھ
لیا ہے۔ کیونکہ بیٹا باپ کی چھایا ہے ۔

بھائیو یہ ہندوؤں کے مذہبی خیال کا مختصر سا خاکہ ہے۔ ممکن ہے کہ ہندو
اپنے ان خیالات اور اعتقادات کو پوری طرح نہ نبھا سکیں لیکن اگر کبھی
کوئی عالمگیر مذہب ہوگا۔ تو وہ وہی مذہب ہوگا جو کہ جگہ کا پابند نہ ہوگا۔ جو کہ
خدا کی مانند جس تک پہنچنا اس کا مقصد اعلےٰ ہوگا۔ لامحدود ہوگا۔ جس کا سورج
سری کرشن اور حضرت عیسےٰ کے پیروؤں پر۔ عابد زاہد اور گنہ گاروں پر یکساں
نور افگن ہوگا۔ جو کہ برہمنوں۔ بودھوں۔ عیسائیوں یا مسلمانوں کا مذہب
نہ ہوگا۔ بلکہ ان سب کا ہی اجتماع اور معجون مرکب ہوگا۔ جو کہ اپنے لامحدود
دماغ میں تمام پرانے خیالات کو سمیٹ سکیگا جس میں ہر ایک انسان خواہ
اس کا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ جگہ پا سکیگا ۔ اس میں ادنے سے ادنے درجے
کے جنگلی انسان سے کہ جس میں چرندوں اور درندوں سے کچھ یونہی جزوی
سا فرق ہوتا ہے۔ اعلےٰ سے اعلےٰ نیک اور خدا شناس آدمی تک جو کہ ہر قسم کی
نیکی اور پاکیزگی کا خزانہ ہو۔ جس کا دماغ سب سے زیادہ دور اندیش اور باریک
بین ہو۔ جو کہ بالکل فرشتوں کے مشابہ ہو۔ شامل ہو سکیں گے ۔

عالمگیر مذہب

تب یہ مذہب ایسا ہوگا۔ جس میں ایک دوسرے پر جور و ستم کرنے یا مذہب کے نام پہ کشت و خون کرنے کی بالکل گنجائش نہ ہوگی جس میں ہر ایک مرد کو دیوتا اور ہر عورت کو دیوی خیال کیا جاوے گا۔ اور جس کی تمام طاقت انسانوں کو خداوند کریم کے جاننے میں مدد دینے کے لئے خرچ کی جائے گی۔

جو مذہب تیرے ہاتھ میں ہے۔ یعنی تو جس مذہب کا پیرو ہے اسے پیش کر، اور دنیا کو تمام قومیں تیرے نقش قدم پہ چلنے کو طیار رہا ہو جائیں گی۔ اشوک مہاراج کی مجلس بدھ دھرم کی مجالس تھی شاہنشاہ اکبر کی مجلس اگرچہ زیادہ مناسب تھی کیونکہ اس میں ہر مذہب کے آدمی شامل تھے۔ مگر پھر بھی ایک خاص مجلس تھی۔ جس میں عوام کا دخل نہیں تھا۔ یہ بزرگی خداوند کریم نے صرف امریکہ کے ہی نصیب میں لکھی تھی کہ وہ عام طور پر تمام دنیا میں ہر خاص و عام پہ اس کا اعلان کرے کہ

خدا ہر مذہب میں ہے۔

آخر میں میرے یہی آشیرباد ہے۔ کہ وہ جو کہ ہندوؤں میں برہم یا زرتشتیوں میں مزدا۔ بودھوں میں بودھ بھگوان یہودیوں میں یہوواہ۔ عیسائیوں میں ہمارا آسمانی باپ اور مسلمانوں میں اللہ کہلاتا ہے۔ آپ لوگوں میں ہر ایک اس پاکیزہ خیال کی اشاعت میں اور اس پہ عمل کرنے میں مدد دے کہ یہ ستارہ مشرق میں طلوع ہوا تھا۔ اور رفتہ رفتہ

مغرب کی طرف بڑھتا گیا۔ اس کی روشنی کبھی مدہم ہوئی۔ کبھی تیز یہاں تک کہ یہ تمام دنیا کے گرد گھوم گیا۔ اور اب پھر مشرق کے افق پر ہاسی خوہ کے کناروں پر۔ پہلے سے ہزار گنی زیادہ روشنی کے ساتھ چمکتا شروع ہوا ہے ۔

رشتہ دار برادرانہ

میں آپ سے ایک کہانی کہتا ہوں۔ ذرا کان لگا کر سنو۔ آپ نے ان پر جوش تقار صاحب کی تقریر سنی ہے۔ جنہوں نے ابھی یہ کہکر اپنی تقریر کو ختم کیا ہے کہ آؤ ہم ایک دوسرے کو گالیاں دینے سے باز آئیں انہوں نے تماشہ سے ایسے اختلافات سے چلے آنے پر بہت افسوس ظاہر کیا ہے ۔

میرا خیال ہے کہ میں اس موقع پر آپ کو ایک چھوٹی سی کہانی سناؤں جو کہ اس وقت بہت ہی معقول ہوگی۔ اور جس سے ان اختلافات کی علت اچھی طرح ظاہر ہو جائے گی ۔

ایک کنوئیں میں ایک مینڈک رہتا تھا۔ اسے اس میں مدتیں گزر گئیں اور وہاں ہی پیدا ہوا تھا۔ وہاں ہی پلا تھا۔ مگر پھر بھی ایک چھوٹا سا مینڈک ہی تھا۔ اس وقت وہاں کوئی اظہار قدرت (ایولیوشن) کی تھیوری ماننے والے نہ تھا۔ ورنہ وہ ہمیں بتاتا۔ کہ وہ مینڈک اپنی آنکھیں کھو بیٹھا تھا۔ یا اس کی آنکھیں ابھی موجود تھیں خیر اپنی کہانی کے مطلب کے واسطے ہم فرض کر لیتے ہیں۔ کہ اس مینڈک کے

آنکھیں تھیں۔ وہ ہر روز پانی میں سے چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو کھا کر جو کہ اس میں کثرت سے رہتے اور پیدا ہوتے تھے پانی کو صاف کرتا رہتا تھا۔ اس طرح پر اس کا گزارہ ہوتا تھا۔ اور وہ کہا کر کسی قدر موٹا بھی ہو گیا تھا۔ خیر۔ ایک روز ایک اور مینڈک جو کہ سمندر میں رہا کرتا تھا کم بختی سے آ گیا۔ اور اس سے کنوئیں میں گر پڑا۔

اسے دیکھ کر کنوئیں والا مینڈک بولا۔ "دوست تم کہاں سے آئے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ "میں تو سمندر سے آیا ہوں"

کنوے کا مینڈک۔ سمندر سے۔ سمندر کتنا بڑا ہوتا ہے۔ کیا وہ میرے کنوے کے برابر ہوگا۔ اتنا کہکر اس نے کنوے میں ایک چھلانگ لگائی۔

سمندر کا مینڈک۔ (مسکرا کر) تم اپنے اس چھوٹے سے کنوے کا سمندر سے کیا مقابلہ کر سکتے ہو۔

کنوے کا مینڈک۔ (ایک چھلانگ اور مار کر) کیا سمندر اتنا بڑا ہے۔

سمندر کا مینڈک۔ (خفا ہو کر) ہشت۔ کیا واہیات بکتے ہو۔ بھلا سمندر کا اور تمہارے کنوے کا کیا مقابلہ۔

کنوے کا مینڈک (اکڑ کر) واہ جی واہ۔ ہمارے کنوئے سے ہی بڑی کوئی اور چیز ہوگی۔ کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ کنوئے سے بڑا اور کیا ہو سکتا ہے۔ تم جھوٹ بکتے ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔

بس بالکل یہی حال ہم انسانوں کا ہے۔

میں ہندو ہوں۔ میں اپنے چھوٹے کنوے میں بیٹھا ہوں۔ اور یہ خیال کر رہا ہوں کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے میرا کنواں ہی ہے۔ اس سے

باہر دنیا میں کچھ بھی نہیں۔ عیسائی اپنے چھوٹے کنوئے ہیں اسی کو تمام دنیا خیال کر رہا ہے۔ اسی طرح مسلمان اپنے کنوئے کو دنیا مانے ہوئے ہے ۔

اے اہالیان امریکہ۔ میں تمہارا از حد ممنون و مشکور رہوں۔ کہ تم نے اس ہماری دنیا کے ان چھوٹے چھوٹے کنوؤں کو ان منبڈوں کو توڑنے کی بہ زبردست کوشش کی ہے۔ اور امید کرتا ہوں کہ پرماتما آئندہ تمہارے ان نیک ارادوں کو پورا کرنے میں تمہیں ہر طرح سے مدد دیں گے۔

خدا حافظ

دنیا کی مذہبی کانفرنس ایک امر واقعہ ہو گئی۔ اور خداوند کریم نے اپنے کمال کرم سے ان کی کوششوں کو جنہوں نے اسے جامہ ہستی پہنایا۔ کامیاب کیا۔ اور ان کی بے غرضانہ محنتوں کو سپھل کرایا۔

میں ان ..... تمام اصحاب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن کے پاک دلوں میں پہلے ہی یہ پاکیزہ خیال پیدا ہوا۔ اور جنہوں نے اسے عملی صورت دے کر دنیا کے سامنے بطور نظیر کے پیش کر دکھایا۔ میں ان بلند خیالات والے بزرگوں کا مشکور رہوں جنہوں نے اس پلیٹ فارم سے اپنی بادلوں کی مانند دلوں نازک تقریروں سے امرت جل برسایا ہے۔ میں دھنیاد دیتا ہوں۔ ان حاضرین جلسہ کو جنہوں نے کہ کمال عنایت سے مجھے یہ اجازت دی ہے۔ کہ میں اپنے خیالات ان کے سامنے پیش کروں اور

یہاں تشریف لا کر اس پاک جلسہ کی رونق کو دوبالا کیا۔ اس ہم آوازی کے مجمع میں بھی کبھی کبھی مخالفت کی بے سری آواز بھی سنائی دے جاتی تھی میں اس کے لئے بھی خاص طور پہ ممنون ہوں۔ کیونکہ ان کے بے سرے پن اور مخالفت نے اس ہم آوازی کو اور بھی زیادہ شیریں اور دلخوش کن بنا دیا ہے ؛

مذہبی یگانگت کی متفقہ اور عام بنیادوں کی بابت بہت کچھ کہا جا چکا ہے میں اس بارے میں اپنی رائے آپ کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہتا ہوں لیکن اگر آپ میں سے کسی کا یہ خیال ہے کہ یہ یگانگت اور اتحاد اس وقت پیدا ہو سکتی ہے۔ جب کہ کوئی ایک مذہب باقی سب مذاہب کو دبا لے یا برباد کر دے۔ تو میں یہ کہوں گا۔ برادرمن۔ تمہاری امید نا امیدی پیدا کرنے والی ہے۔ یہ ہونا ناممکن سے بھی زیادہ ہے۔ کیا میری یہ خواہش ہے کہ سب عیسائی ہندو ہو جائیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا ایسا نہ کرے کہ میری یہ خواہش ہو۔ تو کیا میری یہ خواہش ہے کہ تمام ہندو یا بودھ عیسائی ہو جائیں۔ نہیں یہ بھی نہیں۔ خدا اس سے بھی معاف رکھے۔ زمین میں بیج ڈال دیا گیا ہے۔ مٹی ہوا پانی سب ہی کچھ اس کے گرد موجود ہیں۔ کیا بیج مٹی ہوا یا پانی بن سکتا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بیج پودا ہی بنے گا۔ اس سے کونپل بھی پھوٹے گی۔ وہ اپنی پیدائش اور نشوونما کے قانون کے مطابق ہی ترقی کرے گا۔ اور مٹی ہوا پانی سب کو ہضم کر کے انہیں اپنے نباتاتی جسم کا ایک جزو بنائے گا۔ مگر خود بوٹا ہی رہے گا ؛

یہی حال مذاہب کا ہے۔ عیسائی ہندو یا بودھ نہیں بن سکتے۔ اور نہ ہی ہندو یا بودھ ہی عیسائی بن سکتے ہیں۔ لیکن ہر ایک مذہب ایک دوسرے

سے کچھ لے کر اپنے میں شامل کرتا ہے۔ اور اپنی علیحدہ ہستی قایم رکھتا ہوا اُسے اپنا جزو بنا لیتا ہے۔ مگر خود اپنے ہی نشو و نما کے قانون کے مطابق ترقی کرتا ہے ۞

اگر مذہبی کانفرنس نے دنیا کو کچھ کر کے دکھایا ہے۔ تو وہ یہ ہے۔ کہ اس نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ بزرگی پاکیزگی اور خیرات کسی ایک فرقے یا مذہب کی میراث نہیں۔ بلکہ دنیا کے ہر ملک و مذہب نے اعلےٰ سے اعلےٰ چال چلن اور صفات کے مرد و عورت پیدا کئے ہیں ۞

اس شہادت کے مقابلے میں بھی اگر کوئی شخص یہ خواب دیکھتا ہے کہ دنیا کے سب مذاہب کو برباد کر کے صرف اسی کا مذہب یکتا و تنہا دنیا میں پھیل جائے گا۔ تو مجھے اس شخص کی حالت پر نہایت ہی رحم آتا ہے۔ اور اسے بتلاتا ہوں کہ ہر ایک مذہب کے جھنڈے پر جلد ہی یہ لکھا ہو گا کہ۔

"لڑو مت بلکہ مدد کرو"۔ "بگاڑو مت بلکہ بناؤ"۔ "جھگڑو مت بلکہ ملو اور امن سے رہو" ۞

اوم شم

کرم یوگ

(سوامی جی مہاراج نے ہندو دھرم کی اشاعت کے لئے نیویارک میں ایک جماعت کھولی تھی۔ جہاں کہ آپ متلاشیان حق کو ہندو دھرم کے عقاید کی تلقین کرتے تھے۔ اس جماعت میں آپ نے ۱۳ دسمبر ۱۸۹۵ء کو مندرجہ ذیل تقریر کی تھی ۞

سانکھ صبہ فلاسفی کے مطابق قدرت میں تین طاقتیں کام کرتی ہیں۔ جنہیں سنسکرت میں ست۔ رج اور تم کہتے ہیں۔ ان کا اس دنیا میں جس طرح اظہار ہوتا ہے۔ اسے ہم کشش نفرت اور ان دونوں کا ضبط بھی کہہ سکتے ہیں۔ ست تو وہ طاقت ہے جس کی بدولت ضبط کیا جا سکتا ہے رج وہ ہے جس سے نفرت ہوتی ہے۔ تم وہ ہے جو کشش کرتی یا دل کو کھینچتی ہے تامس اندھیرے یا کاہلی کا نام ہے۔ رج چستی اور چالاکی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے ہر ذرہ اپنی کشش کے مرکز سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ست ان دونوں کی درمیانی حالت ہے۔ جو کہ ان دونو کو مساوی رکھتی ہے ۔

ہر انسان میں یہ تین طاقتیں کام کر رہی ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک میں کبھی تامس کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور ہم سست پڑ جاتے ہیں کاہلی ہمیں آ کر دبا لیتی ہے۔ ہم نہ حرکت کر سکتے ہیں نہ ہل جل سکتے ہیں اور خاص قسم کے خیالات ہمارے دل میں پیدا ہو کر ہمیں اپاہج سا کر دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے گویا کہ بہت سا بوجھ ہمارے ساتھ لٹک رہا ہے جو کہ ہمیں نیچے کی طرف کھینچ لیتا ہے کسی وقت ہمارے جسم میں چستی اور چالاکی کا زور دورہ ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ ہم اپنے مرکز سے اڑ بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بے پر کے آسمان پر اڑا چاہتے ہیں۔ اچھلتے ہیں کودتے ہیں۔ کھیلتے ہیں۔ دوڑتے ہیں۔ لیکن طبیعت ہی نہیں بھرتی۔ اس وقت رجو گن غالب ہوتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے۔ جب کہ نہ یہ حالت رہتی ہے۔ نہ وہ۔ دونو حالتوں کے درمیانی حالت ہوتی ہے۔ اس وقت ستوگن کی زیادتی سمجھی جاتی ہے ۔

مختلف انسانوں میں ان تینوں گنوں میں سے ایک ایک گن زیادتی پر رہتا ہے۔ ایک آدمی عادتاً سست کاہل وجود۔ اور آلسی ہوتا ہے۔ دوسرا چست چالاک اور پھرتیلا ہوتا ہے۔ اس کی ہر حرکت سے پھرتی اور چالاکی ٹپکتی ہے۔ تیسرے شخص میں ہم سنجیدگی۔ متانت۔ انکساری اور شرافت پاتے ہیں۔ جو کہ کام کرتے رہنے اور نکمے رہنے کی درمیانی حالت ہے۔ تمام دنیا کا یہی حال ہے۔ حیوانات۔ نباتات اور سب میں ان تینوں گنوں کو کم و بیش کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں ؛

کرم یوگ میں قدرت کی ان تینوں طاقتوں پر خاص طور سے غور کیا جائے گا۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ کیا ہیں۔ اور ہم ان سے کس طرح پر کام لیں۔ یہ علم ہمیں دنیا کے کاروبار کو زیادہ عمدگی سے کرنے کے لائق بنا دیگا انسانی جماعت ایک باترتیب جماعت ہے۔ جس میں کہ مختلف درجہ اور حالتیں ہیں۔ لفظ اخلاق سے کیا مطلب ہے۔ یہ ہم سب جانتے ہیں ہم سب کو معلوم ہے۔ کہ فرض کس کو کہتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ مختلف ملکوں میں اخلاق کا معیار مختلف ہے۔ ایک ملک میں جو کچھ خلق سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے ملک میں وہی بد اخلاقی ہے۔ مثلاً ایک ملک میں چچا تاؤ زاد بہن بھائیوں کا بیاہ ہونا ممنوع نہیں خیال کیا جاتا۔ مگر دوسرے میں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ایک میں مرد عورت صرف ایک ہی مرتبہ شادی کرتے ہیں۔ مگر دوسرے میں کئی کئی بار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسی طرح اخلاق کے مختلف پہلوؤں میں بھی فرق ہے۔ لیکن تاہم ہمیں خیال ہوتا ہے۔ کہ اختلاف کا کچھ ایسا معیار ہونا چاہیئے جو کہ تمام دنیا پر حاوی ہو سکے اور عالمگیر قرار

دیا جا سکے ۔

یہی حال فرائض کا ہے۔ مختلف اقوام میں فرائض کے خیال میں بہت سا اختلاف ہے۔ ایک ملک میں اگر کوئی آدمی کوئی ایک کام نہیں کرتا۔ تو لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس نے نامناسب کام کیا۔ لیکن اگر وہ دوسرے ملک میں وہی کام کرتا ہے۔ تب وہاں کے لوگ بھی اسے قابل اعتراض خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض جماعتیں اور فرقے کچھ ایسی باتوں کو اپنا فرض خیال کرتے ہیں جو کسی دوسری جماعت میں کی جائیں تو ان لوگوں کو حیران و پریشان کر دیں۔ مگر باین ہمہ ہم سب جانتے ہیں کہ فرائض کے متعلق ہی کوئی عالمگیر معیار ہونا ضروری ہے ۔

ہمارے لیئے صرف دو راستے ہیں۔ ایک تو بیوقوفوں کا جن کا یہ خیال ہے۔ کہ راستی کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ اور دوسرے تمام غلط ہیں۔ دوسرا عقلمندوں کا۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ انسانوں کی مختلف دماغی حالت اور ان کی تہذیب اور شائستگی کی مختلف حیثیت کے موافق ان کے فرائض اور اخلاق میں بھی فرق ہو سکتا ہے۔ اس لیئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فرائض اور اخلاق کی بھی درجہ بندی ہے۔ زندگی کی ایک حالت میں جو فرض اور اخلاق ہو سکتا ہے۔ دوسری حالت میں بھی وہی ہونا لازمی اور ضروری نہیں ۔

ذیل کی مثال سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جائے گی۔ سب بڑے معلموں اور بزرگوں نے یہ تعلیم دی ہے کہ بدوں کے ساتھ بھی بدی نہ کرو، یہی اخلاق کا اعلےٰ معراج ٹھیرایا گیا ہے۔ لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ اگر دنیا کی موجودہ حالت میں اس اصول پر عمل کیا جائے۔ تو سوسائیٹی کا تمام کارخانہ درہم برہم ہو جائے۔ بدمعاش اور شریر آدمی ہمارے مال و متاع کے مالک

بن جائیں۔ اور ہمیں زندگی میں بھی محال ہو جائے۔ اگر ایک دن ہی ان کی پکڑ ڈھیلی نہ ہو۔ تو اسی دن ہیں دنیا کا ڈھنگ بے ڈھنگا ہو جائے۔ لیکن پھر بھی اپنے دل کی تہ میں ہم اس بدوں کے ساتھ بدی نہ کرنے کے اصول کی سچائی اور پاکیزگی کو محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں دنیا میں ہی اعلےٰ سے اعلےٰ معراج معلوم دیتا ہے جسے حاصل کرنے کی ہم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن صرف اسی مسئلہ کی تلقین کرنا انسانی جماعت کے ایک بڑے حصہ کو ہلاک کرنا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ انسانوں کو یہ محسوس کراتا ہے۔ کہ جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں غلط ہے۔ اس سے ان کے افعال اور ان کی ضمیر میں اختلاف پیدا ہو گا۔ اور وہ کمزور ہو جائیں گے کیونکہ ہمیشہ اپنے اعمال کو ناپسند کرنا دل ہی دل میں ان کے لیے نادم ہونا اور اپنے نفس کو لعنت ملامت کرنا اور عیبوں کی نسبت دل اور قوت ارادی کو زیادہ کمزور کر دیتا ہے۔ جو شخص کہ اپنے آپ سے نفرت کرنے لگتا ہے اس کی تنزل اور بربادی کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ اصول قوموں اور گروہوں پر بھی ویسی ہی مضبوطی سے عائد ہوتا ہے۔ جیسا کہ افراد پر اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم خود سے نفرت نہ کریں۔ کیونکہ ترقی کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم سب سے پہلے اپنی ذات پر بھروسہ رکھیں اور وہ جیسے اپنے اوپر بھروسہ نہیں خدا پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہمارے واسطے یہ جاننا اور ماننا ضروری ہے کہ اخلاق اور فرائض وقت اور موقع کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ جو شخص بدی کے ساتھ بدی سے پیش آتا ہے۔ ہمیشہ ہی غلطی پر نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی کبھی اس کا یہ فرض بھی ہو جاتا ہے۔ کہ وہ ایسا ہی رہے آپ میں سے کچھ نے شاید بھگوت گیتا کو پڑھا ہو گا۔ اور آپ میں سے بہتوں نے جو کہ مغربی ممالک میں رہتے ہیں اسے حیرت سے دیکھا ہو گا۔ کہ پہلے ادھیائے میں سری کرشن جی مہاراج ارجن جی کو

صرف اس واسطے مکار اور بزدل بتاتے کہ وہ اپنے بھائیوں سے لڑنے
اور مقابلہ کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ میں اپنے عزیزوں اور
رشتہ داروں سے لڑنے کو طیار نہیں۔ خواہ وہ میرے دشمن ہی کیوں نہ
ہوں۔ وہ اپنے انکار کی وجہ یہ ہی بیان کرتا تھا۔ کہ الفت اور محبت کا اعلےٰ
معراج بھی ہے۔ کہ کسی سے مخالفت نہ کی جائے۔ اس سے ہم سدا ایک بڑا
اہم سبق سیکھ سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہر چیز کی دونوں آخری حدود یکسی
ہی ہوتی ہیں۔ نہایت ہی مثبت اور نہایت ہی منفی ہمیشہ ایک سی ہوتی
ہیں۔ مثلاً جب روشنی کی حرکت بہت ہی دھیمی ہوتی ہے۔ تو ہم اسے نہیں
دیکھ سکتے۔ اسی طرح جب وہ بہت ہی تیز ہوتی ہیں۔ تب بھی وہ ہمیں
دکھائی نہیں دے سکتا۔ آواز کا بھی یہی حال ہے۔ جب کہ آواز بہت ہی آہستہ
ہوتی ہے۔ تب ہم اسے نہیں سن سکتے لیکن جب وہ بہت زور کی ہوتی ہے
تب بھی سنائی نہیں دیتی۔ یہی فرق مقابلے اور غیر مقابلے میں ہے۔ ایک
آدمی مقابلہ نہیں کرتا کیونکہ وہ کمزور اور کاہل وجود ہے۔ اور یہ اس کی طاقت
سے باہر ہے۔ اگر وہ ایسا کمزور یا کاہل ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ مقابلہ کرتا۔ لیکن جو مرد
آدمی یہ جانتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک ہی چوٹ میں خاتمہ کر سکتا ہے لیکن پھر
بھی وہ اپنے دشمنوں پہ وار نہیں کرتا۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ وہ ان کے لئے
دعائے خیر کرتا ہے۔ اور انہیں برکت دیتا ہے۔ وہ جو کہ کمزوری کی وجہ
بدی کا مقابلہ نہیں کرتا۔ اور ڈر کر اسے روکنے سے باز رکھتا ہے۔ گناہگار
ہے۔ گناہ کرتا ہے۔ وہ اس مقابلہ نہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا
لیکن دوسرا یہ جانتا ہوا بھی کہ اگر میں چاہوں تو ایک ہی وار میں دشمن کی
سب طاقتوں کو ملیا میٹ کر سکتا ہوں۔ اگر وار کرنے کی بجائے ان کے

ساتھ نیکی کرتا ہے۔ تو بہت ہی اچھا کرتا ہے۔ بلکہ اگر اتنی طاقت رکھتا ہوا بھی وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بدی کرتا۔ تو گناہ تھا۔

بدھ بھگوان نے اپنا تاج تخت چھوڑ دیا۔ اپنی اعلےٰ دنیاوی حیثیت کو خیرباد کہا۔ یہ سچا ترک اور پورا سنیاس تھا۔ لیکن ایک فقیر کا جس کے پاس تیاگنے اور چھوڑنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ تیاگ اور سنیاس کوئی تیاگ اور سنیاس نہیں کہلا سکتا۔ ہم جب اس ممانعت نہ کرنے یا پریم کی نسبت بات چیت کریں۔ تو ہمیں بہت سوچ سمجھکر منہ سے الفاظ نکالنے چاہیں۔ ہمیں پہلے یہ سوچنا چاہئے۔ کہ ہم میں مقابلے کی طاقت بھی موجود ہے یا نہیں۔ طاقت رکھتے ہوئے اگر ہم اس سے کام نہیں لیتے اور مقابلہ نہیں کرتے۔ ہم پریم کا ایک مہان اور اعلےٰ درجے کا کام کرتے ہیں لیکن اگر ہم میں مقابلہ کی طاقت ہی نہیں اور پھر ہم ایسا فعل کرتے ہیں۔ اور مقابلہ کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ہم پریم اور پریم کے بس میں آکر مقابلہ نہیں کرتے۔ تو ہم اوروں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور اپنے حق میں اخلاقی طور پر نہایت برا کرتے ہیں؛

ارجن اپنے مقابلہ میں دشمن کی عظیم الشان فوج کو دیکھکر گھبرا گیا تھا۔ اس کی محبت اور پریم نے رحم اور کمزوری کی طرف جو اس کا واجب الادا فرض تھا۔ اسے اس کے دل سے دور کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سری کرشن بھگوان نے اسے مکار کا خطاب دیا۔ اور کہا تھا کہ تو عقلمندوں کی سی باتیں بناتا ہے۔ لیکن تیرے افعال اور اعمال تجھے بزدل اور بدکار ظاہر کرتے ہیں۔ دل سے اٹھ اور لڑائی کے لئے کھڑا ہو جا۔

کرم یوگ کا یہی مقصد اور منشا ہے۔ کرم یوگی وہ شخص ہے جو کہ یہ جانتا ہے کہ مخالفت نہ کرنا اعلےٰ معراج ہے۔ در اصل ہے بھی ایسا ہی اپنی

حاصل کردہ طاقت کے اظہار کا سب سے عمدہ طریقہ یہی ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ جب نفس کو بدی کا روکنا یا بدی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ وہ اس اعلےٰ معراج یعنی مخالفت نہ کرنے کی طاقت کے حاصل کرانے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ مقابلہ کرنا ہی اس معراج تک پہنچنے کے راستہ میں ایک قدم آگے بڑھاتا ہے۔ اس اعلےٰ معراج یعنی بدی کی مخالفت نہ کرنے کی حالت تک پہنچنے سے پہلے۔ ہر انسان کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ بدی کی مخالفت کرے۔ اسے اس کے رستے کام کرنے دو۔ لڑنے دو۔ اور اس کی جڑ پر اپنے بازوؤں کی عام طاقت سے کلہاڑا مارنے دو۔ اسے ایسا کرنے سے مت روکو۔ جب وہ اس طرح مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل کرے گا۔ تب ہی صرف تب ہی مقابلہ نہ کرنا اس کے رستے باعث فخر ہوگا صرف تب ہی مخالفت نہ کرنا۔ اس کے رستے اچھا اور مبارک ہوگا۔

اپنے ملک میں میں ایک مرتبہ ایک ایسے آدمی سے ملا۔ جسے ہم بڑا مورکھ اور پاگل سمجھا کرتا تھا۔ یہ شخص بالکل کاہل وجود تھا۔ نہ تو خود کچھ جانتا ہی تھا اور نہ جاننے کی ہی کوشش کرتا تھا۔ فقط ایک حیوان کی مانند زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا۔ کہ پرماتما کے جاننے اور مکتی پانے کے رستے مجھے کیا کرنا چاہئیے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم جھوٹ بول سکتے ہو۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ یہ سن کر میں نے اس سے کہا کہ پہلے جھوٹ بولنا سیکھو۔ حیوان یا لکڑی کا کندہ ہو کر رہنے اور اس طرح اپنی زندگی بسر کرنے کی نسبت جھوٹ بولنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ تم بودے ہو اور سست ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم ابھی اس اعلےٰ درجہ کو نہیں پہنچے۔ جو کہ چستی چالاکی اور تیزی طراری سے بھی اعلےٰ خیال کیا جاتا ہے۔ اور جسے سنجیدگی اور بہاری بھی کم ہونا کہتے ہیں میرے خیال

ہیں تم ایسے بدہو ہو کہ کوئی شرارت بھی نہیں کر سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ
مثال بہت ہی بڑھتی چڑھتی تھی اور میں اس سے مذاق بھی کر رہا تھا۔ لیکن
اس موقع پہ یہ بات کہنے سے میرا یہ مطلب ہے کہ پورن شانتی اور کامل
سنجیدگی کو حاصل کرنے کے لئے بھی انسان کو پہلے چستی اور چالاکی
میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں وہ نصیب ہوتی ہے سستی اور کاہلی
او جوڑی سے ہر قسم کی برائیوں کا وہ ذہنی ہوں یا جسمانی مقابلہ کرو۔ اور جب تم
انہیں رکنے میں کامیاب ہو جاؤ پھر مقابلہ نہ کرنے کی شانتی دا ایک حالت
پیدا ہو جائے گی۔ یہ کہنا بہت ہی آسان ہے کہ کسی آدمی سے نفرت نہ
کرو۔ بدی سے مخالفت نہ کرو۔ لیکن ایسا کرنا کیسا ہوتا ہے۔ وہ ہم سب
پر روشن ہے۔ اس لئے کہنے کی ضرورت نہیں۔ جب تک سوسائٹی ہماری
طرف دیکھ رہی ہے۔ تب تک ہم یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم مخالفت نہیں
کرتے لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پیٹ میں ہر وقت کھلبلی مچی
رہتی ہے اور چوہے نالا بازیاں کھاتے رہتے ہیں۔ مقابلہ اور مخالفت نہ
کرنے کی حالت میں جو شانتی اور فراغت نصیب ہوتی ہے۔ اس کا ہمارے
پاس کوسوں بھی پتہ نہیں ملتا۔ دل ہی دل میں ہم یہ کہتے ہیں کہ مقابلہ کرتے تو بہت
ہی اچھا ہوتا۔ اگر تم دولت کی خواہش کرتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ تمام دنیا
دولت کمانے والے کو بدمعاش اور شریر بتاتی ہے۔ تو قدرتاً تم دولت
حاصل کرنے کے لئے پوری جدوجہد نہیں کر سکتے۔ لیکن تاہم
دل دن رات ہی دولت کی ہوس میں مارا مارا پھرتا رہے گا۔ نہ مکاری ہے
اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ دنیا کے سمندر ناپیدا کنار میں غوطہ لگاؤ۔ پھر کچھ
عرصہ بعد جب تم اس کے لذائذ اور حظوظ کو بھوگ چکو۔ ان سے سیر ہو جاؤ

اور جو کچھ ان میں ہے - اس سے واقفیت حاصل کرو - تب اس سے نفرت پیدا ہو جائے گی - طبیعت میں ویراگ پیدا ہوگا - اور تب ہی سچی شانتی نصیب ہوگی - اس لئے پہلے دنیاوی طاقت اور حشمت وغیرہ کے لئے اپنی خواہشات کو پورا کرو - جب تم ایسا کرو گے تب کہیں وہ وقت آئے گا - جب تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ سب بہت ہی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جن کے پیچھے کہ تم لگے رہے ہو - لیکن جب تم ان خواہشات کو پورا نہ کرو گے - جب تک تم اوچھتی اور چالاکی کے زمانہ میں سے نہ گزر چکو گے - تمہارے لئے اس سنجیدگی - قناعت اور شانتی کو پانا ناممکن ہے جو کہ سچے ویراگ اور ایماندارانہ غیر مدافعت کا لازمی نتیجہ ہے ہزاروں برس سے راستی اور خود ضبطی سے پیدا ہونے والی فراغت اور شانتی کے ان خیالات کی تلقین ہو رہی ہے - ہر ایک پیدا شدہ انسان بچپن سے ہی ان کے بارے میں سنتا چلا آتا ہے - لیکن پھر بھی ہمیں دنیا میں ایسے انسان بہت ہی کم نظر آتے ہیں - جو اس اخلاقی کمالیت کے درجہ کو پہنچ چکے ہوں - حالانکہ میں نے دنیا کے ایک بڑے حصہ میں سفر کیا ہے - اور کروڑوں اربوں آدمیوں کو دیکھا ہے - لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے میری تمام عمر میں بیس آدمی بھی ایسے نہیں ملے جو پورے پورے شانت چت کہے جا سکتے ہیں *

ہر شخص کو اپنا معراج قایم کرنا اور اس کے حصول کے لئے پوری پوری کوشش کرنا چاہیئے - اس طرح وہ یقینی طور پہ ترقی کر سکتا ہے - مگر دوسرے شخص کے معراج کو لے کر کوشش کرنا فضول ہے - کیونکہ وہ اسے کبھی حاصل نہیں کر سکتا - مثلاً ایک چھوٹا بچہ ہے - ہم اسے ایک دم ہی بیس میل چلنے کا کام دیتے ہیں - یا تو بچہ اس کوشش میں مر جائے گا - اور اگر ہزار دو ہزار بچوں میں کوئی ایک رینگ رینگ کر اس فاصلہ کو ختم بھی کرے تو منزل کے خاتمہ پہ مردہ سے بھی

پرتو ضرور ہی ہو جائے گا۔ مجھے سخت حیرت ہے کہ دنیا میں ہم عام طور پر ایسا ہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی بھی سوسائٹی میں سب مرد اور عورت یکساں قابلیت اور لیاقت کے نہیں ہوتے۔ ہر ایک مرد اور عورت کا اپنا اپنا مختلف معراج اور آدرش ہونا چاہئے۔ اور ہم میں سے کسی کو کسی دوسرے کے آدرش یا معراج پر ناک بھوں چڑھاتے یا اس کا مضحکہ کرنے کا کوئی مجاز نہ ہونا چاہئے۔ ہر شخص کو اپنے آدرش کے حاصل کرنے کے لئے جہاں تک اس سے ہو سکے۔ کوشش کرنے دو۔ میری جانچ تمہاری معراج سے یا تمہاری پڑتال میرے آدرش سے نہیں ہونی چاہئے۔ سیب کے درخت کا اندازہ پیپل یا بڑ سے نہیں ہو سکتا۔ نہ شاہ بلوط کے پیڑ کا سیب سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سیب کے درخت کی جانچ کے لئے سیب کے درخت کا پیمانہ لینا پڑے گا۔ اور پیپل یا بڑ کے پیڑ کے لئے پیپل یا بڑ کا یہی حال ہم سب کا ہے ؞

اختلاف میں یکسانیت قدرت کا خاصہ ہے۔ فرداً فرداً مرد و عورت میں خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ بنیاد میں سب کی یکسانیت ہی ہے مختلف قسم اور مختلف جماعتوں کے مرد اور عورتوں کا ہونا قانون خلقت کے مطابق قدرتی اختلاف ہے۔ اس واسطے ہمیں ان سب کے لئے ایک ہی پیمانہ قرار نہ دینا چاہئے۔ یا سب کے واسطے ایک ہی معراج اور آدرش قایم نہ کرنا چاہئے ایسا کرنے سے ایک غیر قدرتی کشمکش پیدا ہو جائے گی۔ جس سے ہمیں کچھ بھی فایدہ نہ ہوگا۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ انسان اپنے آپ سے نفرت کرنے لگے گا۔ اور اس طرح پر اصلی معنوں میں دھارمک اور نیک ہونے سے رہ جائے گا ؞

ہندوؤں کے اخلاقی قانون پر نظر کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرصہ دراز سے اس امر کا خیال رکھتے چلے آتے ہیں۔ اور علم "اتھکس"

پران کے جو شاستر اور گرنتھ ہیں ان میں انسانوں کی مختلف جماعتوں سنیاسیوں
اور ان آدمی جو کہ دنیا سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔ دنیاداروں اور طالب علموں
کے لئے مختلف قواعد بنائے گئے ہیں۔ ہندو شاستروں کے مطابق
ہر انسان کی زندگی کئی کئی حصوں میں منقسم ہے۔ ہندو کی زندگی بطور
ایک طالب علم کے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ شادی کر کے گرہست
یعنی دنیاداری میں داخل ہوتا ہے۔ پھر بوڑھا ہونے پر وہ دنیا سے بھی
علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ اور بعد ازاں وہ ہر طرح سے قطع تعلق کر کے
سنیاسی ہو جاتا ہے۔ ان میں ہر ایک درجہ کے مختلف فرائض ہیں۔ زندگی
کے ان مدارج میں سے کوئی ایک ہی دوسری سے اعلےٰ یا بدتر نہیں سمجھا جاتا
شادی شدہ آدمی کی زندگی میں بھی ویسی ہی اعلےٰ اور بدتر خیال کی جاتی ہے۔
جیسی کہ اس کی جس نے شادی نہیں کی۔ بلکہ اپنی زندگی کو کسی عمدہ کام کے ارپن
کر دیا ہے۔ تخت شاہی پر بیٹھا ہوا بادشاہ ایسا ہی بر شان و شوکت
خیال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ گلیوں میں پھرنے والا ... سنیاسی ایسے
ذرا تخت سے اتار کر سنیاسی کے کام پر تو لگا دو۔ پھر دیکھو کہ اس کی کیا حالت
ہوتی ہے۔ اب سنیاسی ... کو ذرا تخت شاہی پر بٹھا دو۔ دیکھو وہ کیسے
حکومت کرتا ہے۔ یہ کہنا بالکل لغو ہے۔ کہ وہ آدمی جو کہ دنیا سے الگ رہتا ہے
اس آدمی سے جو کہ دنیا میں رہ کر زندگی بسر کرتا ہے۔ بڑا ہے۔ دنیا میں رہ کر
خدا کی عبادت کرنا۔ دنیا سے الگ ہو کر آزادی اطمینان اور علیحدگی میں
عبادت کرنے سے ہزار درجہ زیادہ مشکل ہے۔ آج کل زندگی کے مختلف مدارج
کم ہوتے ہوتے دو ہی رہ گئے ہیں۔ ایک گرہستی کا۔ دوسرا اپدیشک کا۔ گرہستی
شادی کر کے شہریوں کے فرائض ادا کرتا ہے۔ اور دوسرا گرہستیوں کو اپدیش دیتا

اور پرماتما کی عبادت کرتا ہے۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس کی زندگی زیادہ سخت اور تکلیف دہ ہے۔ میں آپ کے سامنے مہانروان تنتر نامی کتاب کا کچھ مضمون اس کے متعلق سناتا ہوں۔ جس سے آپ کو اندازہ لگے گا۔ کہ گرہستی ہونا کیا ہی مشکل ہے۔ اور پورا گرہست دہ ہے کہا ہے گرہستی کو ہر وقت پرماتما کا دھیان رہنا چاہیے۔ اور پرماتما کا گیان حاصل کرنا اس کی زندگی کا آخری مقصد ہونا چاہیے۔ لیکن بایں ہمہ اسے ہر وقت کام میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور اپنے سب فرائض پوری پوری طور پر انجام دینے چاہئیں۔ جو کام بھی وہ کرے۔ ایشور ارپن کرے۔ کام کرنا لیکن نتیجہ کا دھیان تک نہ کرنا۔ کسی انسان کی مدد کرنا۔ لیکن یہ خیال بھی اپنے دل میں ہی نہ لانا۔ کہ اسے اس سلوک کے لئے تمہارا ممنون و مشکور ہونا چاہیے۔ کچھ نیک کام کرنا۔ لیکن یہ کبھی امید نہ رکھنا کہ اس سے تمہیں نیک نامی۔ شہرت یا دولت کچھ حاصل ہوگی۔ کچھ ہنسی کھیل نہیں۔ یہ نہایت ہی مشکل کام ہے۔ بزدل سے بزدل اور ڈرپوک سے ڈرپوک۔ آدمی بھی دنیا سے تعریف کی امید پر شیر دلیر اور بہادر ہو سکتا ہے۔ سوسائیٹی سے تحسین اور آفرین پاکر ایک بیوقوف بھی بہادری کے کام انجام دے سکتا ہے لیکن ایک انسان کے لئے اپنے ساتھیوں کی تحسین و آفرین یا لعنت و پھٹکار کی کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے لگاتار نیک کام کرتے رہنا اور یہی بات ہے یہی سب سے اعلےٰ قربانی ہے۔ جو کہ کوئی آدمی کر سکتا ہے۔ گرہستی کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا فرض روزی کا کمانا ہے۔ لیکن ایسے خیال رکھنا چاہیے کہ وہ روزی کے لئے جھوٹ نہ بولے دھوکا نہ دے اوروں کو نقصان نہ پہنچا دے بلکہ یاد رکھے۔ کہ اس کی زندگی پرماتما کی بھگتی کے لئے اور غریب و محتاج

آدمیوں کی سیوا کے واسطے ہے ۔

گرہستی کو چاہئے کہ اپنے ماتا پتا کو پرماتما کا قایمقائم سمجھ کر ہر طرح انہیں خوش کرنے کی کوشش کریں۔ جس آدمی سے اس کے ماتا پتا پرسن ہیں اس سے پرماتما خوش ہے۔ وہ آدمی جو اپنے ماتا پتا سے کڑوے بچن نہیں بولتا۔ بہت اچھا آدمی ہے ۔

ماتا پتا کے سامنے کبھی مذاق نہ کرے۔ چنچلپتا نہ دکہائے۔ غصہ اور بدمزاجی نہ ظاہر کرے۔ ماتا پتا کے سامنے ہمیشہ گردن جھکائے رہنا چاہئے۔ اور جب تک وہ بیٹھنے کو حکم نہ دیں کھڑا رہنا چاہئے ۔

اگر کوئی گرہستی خود کھاتا پیتا یا عمدہ پوشاک پہنتا ہے۔ مگر اپنے ماتا پتا۔ بیوی۔ بچوں اور غریب غربا کی ضروریات کا خیال نہیں کرتا۔ وہ پاپ کرتا ہے۔ پاپی ہے۔ ماتا پتا کے شریر سے اولاد کا شریر بنتا ہے۔ اس سے اولاد کو ماتا پتا کے لئے ہر طرح کی تکالیف برداشت کرنا واجب ہے ۔

اسی طرح مرد کے عورت کی طرف بہی فرایض واجب الادا ہیں۔ کسی کو واجب نہیں کہ اپنی عورت کو گالیاں دے۔ اس سے سخت کلامی کرے۔ ہمیشہ اس کے ساتھ پریم پرتیتی سے بات چیت کرے۔ اور دوسروں کی مانند اس کی بہی پرورش کرنا چاہئے۔ خواہ چاہے وہ کیسے ہی آفت اور مصیبت میں پہنسا ہو لیکن بیوی پر اپنی خفگی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے ۔

"وہ جو اپنی استری کے سوا کسی اور استری کا دھیان کرتا ہے۔ خواہ وہ دھیان اس عورت کے جسم کے کسی ہی حصہ کا کیوں نہ ہو۔ وہ آدمی نرک کو جاتا ہے۔ خفیہ طور پر بھی مرد کسی اور عورت کو یا اس کے کپڑوں کو نہ چھوئے خواہ وہ عورت وہاں نہ ہی ہو۔ تب بھی کسی آدمی کو اپنی بیوی کے سوا کسی

اور عورت کے کپڑے نہ چھونے چاہئیں +

عورتوں کے سامنے کسی مرد کو مذاق نہ کرنی چاہئے۔ اور نامناسب الفاظ زبان پہ نہ لانے چاہئیں۔ نہ اپنی طاقت کی شیخی مارنی چاہیئے۔ اسے یہ نہ کہنا چاہیئے کہ میں نے یہ کیا۔ وہ کیا +

گرہستی کو ہمیشہ اپنی استری کو مال و دولت کپڑے۔ زیور۔ پریم پریتی۔ وشواس یقین اور میٹھے بچنوں سے خوش رکھنا چاہئے۔ اور کسی طرح اسے ناراض نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ انسان جس نے پتی برتا استری کی محبت کو اپنا کر لیا ہے۔ اسنے سب دہرم کرم کو اپنا کر لیا ہے +

بچوں کی طرف مندرجہ ذیل فرائض ہیں +

جبتک لڑکا چار سال کا ہو تب تک اس کی خوب اچھی طرح پرورش کرنی چاہیئے۔ بعد ازاں اس کی تعلیم کی طرف دھیان دینا چاہیئے۔ جب اس کی بیس برس کی عمر ہو جائے تو پتا کو مناسب ہے کہ اسے چھوٹا بچہ نہ سمجھے۔ اس وقت وہ اس کے برابر کا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں گرہست کی سب قابلیتیں آجاتی ہیں بالکل ایسا ہی سلوک لڑکی کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اور اسے نہایت احتیاط سے تعلیم ملنی چاہیئے۔ جب اس کی شادی ہو تو پتا کو واجب ہے کہ اسے زیورات اور دولت دے کر بدا کرے +

بعد ازاں بھائیوں بہنوں اور ان کے بچوں کی طرف اگر وہ غریب ہیں اور دیگر رشتہ داروں اور نوکر چاکروں کی طرف بھی گرہستی کا فرض ہے۔ اس کے بعد اسی گاؤں کے دیگر آدمیوں۔ غریبوں اور جو کوئی بھی اس سے مدد مانگنے آئیں۔ ان کی طرف اس کا فرض ہے۔ کافی دھنوان ہو کر اگر کوئی گرہستی اپنے رشتہ داروں اور غریبوں کو تحفہ تحالیف کچھ نہیں دیتا۔ تو

وہ جانور کے سمان ہے۔ اسے انسان مت سمجھو۔

اپنے کھانے کپڑے کی طرف بہت دھیان دینا۔ اپنے آپ سے بہت پیار کرنا۔ اپنے جسم کو بہت سجانا۔ بالوں میں مانگ کاڑھنا منع ہے۔ گرہستی کامن شدہ اور تن پوتر ہونا چاہئے۔ اسے ہر وقت چست و چالاک اور کام کرنے کو طیار رہنا چاہیئے۔

دشمنوں کے سامنے اسے بہادر بننا چاہئے۔ اسے مردانگی سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ یہی گرہست کا دہرم ہے۔ اسے دشمنوں کے ڈر سے ایک کونے میں بیٹھکر آنسو بہانے مناسب نہیں۔ اور مقابلہ نہ کرنے کی فضول و لغو بات چیت زبان پہ ہرگز نہ لانی چاہئے۔ اگر وہ دشمنوں پہ اپنے آپ کو بیر اور بہادر ثابت نہیں کر سکتا۔ تو وہ اپنے دہرم سے گرجاتا ہے۔ اپنے دوستوں اور عزیزوں کے لئے اسے گنئو کے سمان حلیم بردبار اور شریف ہونا چاہیئے۔

گرہست کا دہرم ہے۔ کہ بدمعاشوں اور شریروں کی عزت نہ کرے کیونکہ اگر وہ ایسے آدمیوں کی عزت اور حمایت کرتا ہے۔ تو وہ دنیا میں بدمعاشی شرارت بڑہانے کا موجب ہوتا ہے۔ اگر وہ قابل عزت اور واجب التعظیم لوگوں کی طرف سے لاپرواہ رہتا ہے۔ اور نیک آدمیوں کا آدر سمان نہیں کرتا۔ تو وہ سخت غلطی کرتا ہے۔ اسے اپنی دوستی کی بکھیر نہیں کرنی چاہیئے۔ ہر جگہ ہر کس و ناکس کو دوست نہ بنانا چاہیئے۔ جن آدمیوں کو وہ اپنا دوست بنانا چاہتا ہو۔ کچھ عرصہ تک نہایت احتیاط سے ان کے اعمال و افعال کی جانچ پڑتال کرتا رہے۔ اور یہ دیکھتا رہے کہ وہ اور آدمیوں سے کیسے پیش آتے ہیں اور ان کے اس سلوک کی وجوہات پہ غور کرے۔ تب کہیں انہیں اپنا دوست بنائے۔

تین چیزوں کا گرہستی کو ذکر نہ کرنا چاہیئے۔ اول۔ اپنی ناموری اور شہرت کا۔ دویم۔ اپنی عزت اور طاقت کا۔ سویم اپنے مال و دولت کا یا کسی ایسی بات کا جو کسی نے پوشیدہ طور سے اس سے کہی ہو۔

اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے۔ یا وہ کسی ایسے کام میں شریک ہو جس کے کامیابی کا یقین ہو گیا ہو۔ خواہ وہ کام کیسا ہی بڑا یا چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اسے اس کا ذکر نہ کرنا چاہیئے۔ دنیا میں اپنی کسی غلطی کے دوہرانے سے کیا فائدہ کیا کوئی اسے سدھار سکتا ہے۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ جو کچھ اس نے کیا ہے اس کا نتیجہ اسی کو بھگتنا چاہیئے۔ اور گرہست دہرم یہ ہے۔ کہ آیندہ اس غلطی سے بچے۔ اور اس سے اچھا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ یاد رکھیئے کہ دنیا صرف مضبوط اور طاقت ور سے ہمدردی کرتی ہے۔ گرے ہوئے اور کمزور کی کوئی بات نہیں پوچھتا۔"

انسان کو کبھی اپنی مفلسی کی شکایت کرنی یا مالداری کی شیخی نہ مارنا چاہیئے۔ اس بارے میں خاموش رہنا ہی اس کا دہرم ہے۔ یہ صرف دنیاوی عقلمندی ہی نہیں۔ بلکہ اگر وہ اس بارے میں خاموش نہ رہے گا۔ تو بد اخلاق سمجھا جائے گا۔ اور کوئی اس کی عزت نہ کرے گا۔

گرہستی ہی سب سوسائیٹی کی جڑ اور بنیاد ہے۔ وہی سب سے بڑا دھن کمانے والا ہے۔ ہر شخص غریب کمزور۔ بچہ۔ عورت۔ جو کہ روزی کمانے کے ناقابل ہیں۔ گرہستی کی بدولت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے اس کے چند فرائض واجب الادا ہونے بھی ضروری ہیں۔ یہ فرائض ایسے ہوں۔ جن کے پورا کرنے سے اسے اپنے میں تقویت اور مضبوطی معلوم دے۔ اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ وہ اپنے معیار سے نیچے گر رہا ہے۔ اس لئے اگر

اس سے کوئی کمزوری کا کام بن آئے۔ یا غلطی ہو جائے۔ اسے اس کا عوام میں اظہار نہ کرنا چاہیئے۔ اگر وہ کسی ایسے کام میں لگا ہے۔ جس کی ناکامیابی کا اسے پورا پورا یقین ہے تو اسے اس کا بھی بھانڈا نہ پھوڑنا چاہیئے۔ اس طرح اپنا بھانڈا آپ پھوڑنا صرف بے مطلب اور لاحاصل ہی نہیں۔ بلکہ آئندہ کے لئے جانیہ کام کرنے سے بھی ہمت توڑنے والا ہو جائے گا۔ اسے علم اور دولت حاصل کرنے کے لئے دل و جان سے کوشش کرنا چاہیئے۔ یہ اس کا دھرم ہے۔ اگر وہ اپنا دھرم پورا نہیں کرتا۔ تو وہ کچھ بھی نہیں۔ وہ گرہستی جو دولت کمانے کے لئے جد و جہد نہیں کرتا۔ نیچ اور بداخلاق ہے۔ اگر وہ سست ہے۔ اور کاہل الوجودی میں زندگی بسر کرنے میں خوش ہے تو وہ ادھرمی ہے۔ کیونکہ اس پر سینکڑوں پرانیوں کا انحصار ہے وہ انہیں ہی ان کے حق سے محروم رکھتا ہے۔ جب وہ مالدار ہو جائے گا۔ تو سینکڑوں کو اس سے مدد مل سکے گی ؛

اگر اس شہر میں سینکڑوں گرہستی ایسے نہ ہوتے جنہوں نے دولت مند ہونے کے لئے کوشش کی ہے۔ اور جنہوں نے دولت جمع کر لی ہے تو یہ سب تہذیب اور یہ سبھا خیرات خانہ وغیرہ کہاں سے ہوتے ؛

ایسی حالت میں دولت کے لئے کوشش کرنا برا نہیں۔ کیونکہ دھن مال اس لئے ہوتا ہے کہ اسے تقسیم کیا جائے۔ اور دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچایا جائے۔ گرہستی سوسائٹی کی زندگی کا مرکز ہے۔ اس کی عبادت یہی ہے۔ کہ ایمانداری سے دولت کمائے اور شریفانہ طور پر اسے تقسیم کرے جو گرہستی نیک ذرائع سے نیکی کرنے کے لئے دولت کماتا ہے۔ مکتی کے حصول کے لئے ویسی ہی کوشش اور جد و جہد کرتا ہے۔ جیسی کہ ننگا ...

تاریک حجرہ میں عبادت کرنے والا عابد۔ کیونکہ ان دونوں میں ہم نفس امارہ کو قابو نہیں کرتے۔ اور خودغرضی کو قربان کرنے کی ایک ہی کوشش دیکھتے ہیں اور دونوں کے دل میں پرماتما اور اس کی پیدا کی ہوئی خلقت کی خدمت کا ایک ہی جیسا خیال ہے ۔

گرہستی کو ہر طرح نیک نامی حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اور جوا کھیلنے۔ بد صحبت میں رہنے۔ جھوٹ بولنے اور اوروں کو نقصان اور تکلیف پہنچانے سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیئے ۔

اکثر آدمی ایسے ایسے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ جن کے پورا کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی۔ اس لئے اپنا کام پورا کرنے کے لئے انہیں دنیا کو دھوکا دینا پڑتا ہے ایسے موقع پر وقت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک وقت جس کام میں ناکامیابی ہوتی ہے۔ دوسرے وقت اسی میں کامیاب ہونے کا بھی امکان ہوتا ہے ۔

گرہستی کو سچ اور میٹھا بولنا چاہیئے۔ وہ ہمیشہ ایسے لفظ منہ سے نکالے جنہیں لوگ پسند کریں۔ جن سے کہ اوروں کی بہتری ہو۔ اسے اپنے کئے کاموں کی شیخی نہیں مارنی چاہیئے۔ نہ اور لوگوں کے معاملات پر فضول رائے زنی کرنی چاہیئے ۔

گرہستی پانی کے واسطے کنوئیں اور تالاب بنوا کر۔ سڑکوں پر سایہ دار پھلدار درخت لگوا کر آدمیوں اور جانوروں کے لئے محتاج خانے اور خیرات خانے جاری کر کے اگر وہی پھل پا سکتا ہے۔ جو کہ بڑے سے بڑے یوگی کو ملتا ہے ۔

کرم یوگ یعنی گرہستی اور خانہ دار کے فرائض کا یہ ایک حصہ ہے

آگے جا کر یہ بھی آتا ہے۔ کہ اگر گرہستی میدان جنگ میں اپنے ملک اور مذہب
کی خاطر لڑتا ہوا مارا جاتا ہے تو وہ وہاں ہی پہنچتا ہے۔ جہاں کہ یوگی یوگ کر کے
جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ ایک شخص کا فرض ہے وہ دوسرے
کا نہیں لیکن ساتھ ہی اس کے یہ نہیں کہا گیا۔ کہ فلاں فرض گرانے والا ہے اور فلاں
ابھارنے والا ہے۔ ہر فرض کا اپنا خاص موقعہ اور اپنی خاص جگہ ہے اور اسی موقعہ کے
لحاظ سے جس میں ہمیں رکھا اور پیدا کیا گیا ہے۔ ہمیں اپنا فرض ادا کرنا مناسب ہے
ان سب باتوں میں ایک خیال ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ہر طرح کی کمزوری کو
ممنوع ٹھہرایا ہے۔ ہماری تمام تعلیم میں یہی ایک خاص بات ہے جو کہ مجھے
از حد پسند ہے۔ کیا فلاسفی۔ کیا دھرم۔ کیا کرم۔ سب میں یہی بات پائی جاتی
ہے۔ اگر تم وید مقدس کا مطالعہ کرو۔ تو تم ان میں اکثر بیخوفی کی تلقین پاؤ گے
بے خوف رہو۔ کسی سے مت ڈرو۔ خوف کمزوری کی ایک علامت ہے۔ ہاں انسان
کو لوگوں کے ناک بھوں چڑھانے یا مذاق اڑانے کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئے۔
برابر اپنے فرض کی ادائیگی میں مشغول رہنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص خدا
کی عبادت کے لئے سب کچھ چھوڑ کر جنگل میں چلا جاتا ہے۔ تو اسے یہ ہرگز
خیال نہ کرنا چاہئے۔ کہ وہ جو کہ دنیا میں رہتے ہیں اور خلق خدا کی بہتری اور بھلائی
کے لئے کام کرتے ہیں وہ پرماتما کی عبادت نہیں کرتے اور انہیں بھی جو کہ دنیا
میں رہتے ہیں اور اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہئے
کہ جو دنیا دار نہیں وہ نیچ اور آوارہ گرد ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی
جگہ پر بڑا ہے۔

میں مثال کے طور پر ایک کہانی سنا کر اس خیال کو اور بھی واضح کرنا چاہتا ہوں
ایک راجہ تھا۔ وہ ہر ایک سنیاسی سے جو اس کے ملک میں آتا تھا۔ دریافت کیا کرتا تھا

کہ دنیا میں بڑا کون ہے۔ وہ جو سنسار کو چھوڑ کر سنیاسی ہو جائے۔ یا وہ جو کہ
دنیا میں رہ کر گرہست کے دھرم کو پالتا ہے۔ بہت سے گیان دانوں نے
اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی کسی نے سنیاسی کو بڑا کر بتایا۔ تو پھر اس سے
اس کا ثبوت مانگا جاتا تھا۔ اگر وہ ثابت نہ کر سکتا تو وہ اسے شادی کرنے کا حکم دیتا
تھا اور گرہست میں بساتا تھا۔ اگر کوئی کہتا کہ وہ گرہست بڑا ہے جو کہ اپنے فرائض
ادا کرتا ہے۔ تو اسے بھی گرہستی ہونے کا حکم دیتا۔ آخرکار ایک روز ایک
نوجوان سنیاسی آیا۔ راجہ نے اس سے بھی یہی سوال کیا۔ اس نے جواب دیا
اے راجہ دونو اپنی اپنی جگہ پہ بڑے ہیں۔ راجہ نے کہا اسے ثابت کرو سنیاسی
نے جواب دیا تو آؤ کچھ مدت تک میرے ساتھ رہو۔ جیسے میں زندگی بسر کرتا
ہوں گا۔ تم بھی کچھ روز ویسے ہی زندگی بسر کرو۔" راجہ مان گیا۔ اور راج کاج
کا بندوبست کرکے سنیاسی کے ساتھ ہو لیا۔ اپنے راج سے باہر ہوا۔ اور کئی
راجاؤں کی حدود بھی پار کیں۔ گھومتے گھومتے ایک اور راجہ کے راج میں
پہنچے راجدھانی میں گئے۔ وہاں خوب دھوم دھام ہو رہی تھی۔ جشن اڑ رہے
تھے باجے بج رہے تھے۔ محفلیں گرم رہی تھیں۔ راگ رنگ کا سماں تھا۔
ایک آنند آ رہا تھا کہیں رنج و غم درد و الم ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتے تھے راجہ
اور سنیاسی دونوں نے ڈھول دمامہ اور سنکھ نفیری کی آواز سنی جہاں خلقت
کی خوب بھیڑ ہو رہی تھی۔ اس طرف بڑھے۔ وہ یہ دیکھتے دیکھا کہ تو بھیڑ کو چیر
کر آگے نکلے۔ دیکھا تو ایک عالیشان سبھا لگ رہی ہے۔ دیس دیس کے راجے
مہاراجے۔ رئیس زمیندار سیٹھ ساہوکار۔ پنڈت۔ ودیا وان جمع ہیں
یگیہ کا سامان ہے۔ خوشبو کی لپٹیں چاروں طرف دوڑ رہی ہیں۔ دماغ معطر ہو
رہا ہے۔ وید دھونی کانوں میں آ رہی ہے جب یہ وہاں پہنچے نقیب نے باآواز بلند

کہنا شروع کیا۔ ہے راجاؤ۔ مہاراجاؤ۔ رئیس زمینداروں۔ آپ سبھا کو اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ آپ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں۔ آج ہماری راج دلاری راج پران پیاری شریمتی شبھ گن وتی۔ راجکماری جی کا سوئمبر ہے آپ سنور جایئے۔ ٹھیک ہو رہے۔ اب وہ سبھا میں پدھارتی ہیں۔ دیکھیں آپ میں سے آج کس کے بھاگ جاگتے ہیں۔ اور کس کو وہ پسند کریگی اسے ہی ان کے پتی ہونے کا سوبھاگیہ پراپت ہوگا ۔

پرانے زمانے میں ہندوستان میں یہ دستور تھا کہ شاہزادیاں اور شریف خاندان کی کماریاں اسطرح اپنے لیئے پتی پسند کیا کرتی تھیں۔ ان میں ہر ایک کا اپنے ہونے والے خاوند کی جانچ اور امتحان کے لیئے اپنا خاص معیار ہوا کرتا تھا۔ بعض سب سے زیادہ خوبصورت مرد کو پسند کرتی تھیں۔ بعض سب سے زیادہ ودیاوان اور عالم کو تلاش کرتی تھیں۔ بعض بہت دولتمند کو چاہتی تھیں۔ بعض بہادر اور جری یودھا پرش کو اپنا دل دیتی تھیں۔ اسی طرح سب کے مزاج خیال مختلف ہوتے تھے۔ اور دلہن اپنے پسند کے موافق دولہا حاضرین میں انتخاب کر کے اس کے گلے میں پھولوں کی مالا ڈال دیتی تھی ۔

راجکماری نہایت ہی زرق برق پوشاک پہنے۔ ہیرے جواہروں سے لدی جگمگ جگمگ کرتی ہوئی۔ آئی۔ رعب حسن سے تمام محفل میں سناٹا چھا گیا۔ آکر نہایت شاندار اور ادا سے ایک مرصع اور جڑاؤ سنگھاسن پر جو اس کے لیئے رکھا گیا بیٹھ گئیں۔ نقیبوں نے تھوڑی دیر بعد پھر آواز بلند کیں مہاراج شرمتی راجکماری جی اپنے لیئے جیون سنگی کھوجنے کو اٹھتی ہیں ۔

یہ سنتے ہی راجاؤں مہاراجاؤں میں کھلبلی پڑ گئی۔ سب اپنے اپنے بدن پر نظریں ڈالنے لگے سنبھل سنبھل اور سنور سنور کر بیٹھنے لگے جب سب ٹھیک ٹھاک ہو گئے

توان کے انیب اپنے بہاٹوں نے اپنے اپنے راجاؤں مہاراجاؤں کے گن اور ریش بڑھنا کرنے شروع کئے اور یہ ظاہر کیا کہ راجکماری کو ان سے ہی شادی کرنا چاہئے۔ صرف یہی اس کے لائق اور سزاوار دولہا ہیں٭

اس کے بعد راجکماری بصد ناز و ادا اپنے سنگہاسن سے اٹھی۔ اور مورنی کی مانند گردن اٹھائے آہستہ آہستہ چاروں طرف جہاں کہ راجہ مہاراجہ اور راجکمار و مہاراجکمار بیٹھے تھے اُدھو گھورنی شرماتے لجاتے ایک نگاہ غلط انداز سے سب کو دیکھا۔ اور آگے ہٹتی چلی گئی٭

اس کے رعب حسن سے کسی کی مجال نہ پڑی۔ کہ اسکی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا دور دور سے اس کے حسن و جمال کا شہرہ تھا۔ سینکڑوں شیدا اس کے حسن و جمال کی تعریف سنکر ہاتھ میں دل لئے ہوئے اپنا بخت آزمانے اس سبھا میں آئے تھے راجکماری اپنے پتا کی اکلوتی بیٹی تھی۔ وہی اور اس کا ہونے والا پتی راج کے وارث تھے۔ اس لالچ سے بھی شاہوں کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ سب کا خیال تھا کہ راجکماری سب سے زیادہ خوبصورت آدمی کو برے گی۔ اس لئے سب امیدوار خوب ہی سج سجا کر آئے تھے۔ اور ہر ایک اپنے آپ کو یوسف ثانی خیال کرتا تھا۔ جب وہ کسی کے پاس بھی نہ ٹھہری سب کی امیدوں پہ پانی پھر گیا۔ دل اداس ہو گیا۔ جس جس کے سامنے سے گزرتی چلی گئی اسی کی کشت آرزو پر جو کہ ابھی ابھی کچھ منٹ پہلے لہلہا رہی تھی۔ پالا پڑ گیا۔ یعنے مرجھا گئی٭

کئی بار پہلے بھی اس کا سوئمبر ہو چکا تھا۔ مگر اس کو کوئی صاحب قسمت پسند ہی نہ آتا تھا۔ سب اپنا سا منہ لئے واپس چلے جاتے تھے۔ اس مرتبہ بڑی دھوم دھام اور ترک و احتشام تھا۔ دور دور کے راجکمار اپنی قسمت آزمائی کے لئے آئے تھے۔ ایسی رونق پہلے کسی موقع پہ نہیں ہوئی

تھی لیکن اس مرتبہ بھی اس نے کسی پر نظر التفات نہ کی دھیرے دھیرے
آگے بڑھتی ہی چلی گئی اب وہ راجاؤں مہاراجاؤں میں سے نکل
گئی جہاں عام خلقت کے آدمی تماشہ دیکھ رہے تھے ادہر بڑھی
حاضرین میں ایک نوجوان سنیاسی بھی تھا۔ جس کا چہرہ سورج کی
طرح چمک رہا تھا۔ رنگ کندن کی مانند دمک رہا تھا جلال
اور جمال دونوں چہرے پر ظاہر تھے وہ بھی کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا
جونہی راجکماری اس سنیاسی مہاتما کے سامنے آئی ٹھٹک گئی
قدم آگے نہ بڑھا۔ دل بیقرار ہو گیا۔ ہاتھ جس میں جیمال تھی
خود بخود اٹھ گیا اور چشم زدن میں۔ خوبصورت پھولوں کا ہار فقیر کی گردن
میں شوبھا دینے لگا لنگوٹ بند فقیر کہ جس کے پاس سوائے ایک
چادر یا پھٹی سی کملیا کے کچھ بھی نہ تھا۔ بھاگ کھل گئے ایک دن میں
ایک بڑی سلطنت کا مالک ہو گیا۔

لیکن نہیں جیمال کے پڑتے ہی ساد ہو کی آنکھوں سے شعلے
نکلنے لگے اس نے زبردست ہاتھ سے فوراً جیمال کو جو کہ اس کے
گلے میں پڑی تھی جھٹکا دیا اور وہ ٹوٹ کر ہاتھ میں آ گئی بس
پھر کیا تھا توڑ مروڑ کر میدان میں پھینک دیا اور گرجتی ہوئی
آواز سے کہا یہ کیا واہیات ہے۔ میں سنیاسی ہوں میں شادی
کر کے کیا لوں گا۔

راجکماری کے پتا نے خیال کیا کہ یہ غریب ہے اور اس لئے
میری راج کنیا سے بیاہ کرتا ڈرتا ہے۔ وہ اٹھ کر وہاں آیا اور
کہنے لگا۔ گھبراؤ مت میں اپنا آدھا راج تو اپنے جیتے جی ہی

اپنے داماد کو دونگا اور میرے مرنے پر تم سارے راج کے مالک ہوگے یہ کہکر پھر جیمال ساد ہو کے گلے میں ڈال دی جاتی ہے۔

ساد ہو پھر جیمال نکال کر پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا داسات ہے میں سنیاسی ہوں میں بالکل شادی کرنا نہیں چاہتا اتنا کہکر وہ اس مجمع سے نکل کر جنگل کی راہ لیتا ہے۔

راجکماری اس کی محبت میں کچھ ایسی وارفتہ ہو گئی تھی کہ اس نے صاف کہدیا۔ کہ یا تو اس ساد ہو سے بواہ کرونگی ورنہ مر جاونگی یہ دل میں ٹھان وہ بھی اس ساد ہو کو واپس لانے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے چل دی محفل درہم برہم ہو گئی اور سب کی دل ہی دل میں رہی۔

یہ تماشہ دیکھ ہمارے ساد ہو مہاتما نے جو راجہ کو ساتھ لئے لئے پھر رہا تھا اور اس محفل میں ایک طرف کو کھڑا ہوا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ راجہ سے کہا۔ آؤ ہم بھی اس ساد ہو اور راجکماری کے پیچھے چلیں یہاں ہمارا کیا دھرا ہے۔ وہ دونوں ہی ان کے پیچھے ہو لئے۔ لیکن کچھ فاصلے پر رہے۔

جوان سنیاسی جس نے راجکماری کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا میلوں باہر نکل گیا شاہزادی بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچے ساد ہو منہ اٹھائے اس میں دھنس گیا نازک بدن شاہزادی نے بھی کچھ پرواہ نہ کی اس کا ساتھ نہ چھوڑا پیچھے ہی لگی رہی اور یہ دونوں بھی کچھ فاصلے پر ان کے ساتھ رہے ؛

جوان سنیاسی تو جنگل کے ہر پیچ اور گھوم گھماؤ سے خوب واقف تھا
اس میں گھستے ہی خبر نہیں کہاں غایب ہو گیا راجکماری اس کا پیچھا
نہ کر سکی ہاتھ ملتی رہ گئی دیر تک ادہر ادہر بھٹکتی رہی آخر کار تھک کر
ایک درخت کی جڑ میں بیٹھ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی
اس بیچاری کو اس سنسان جنگل سے نکلنے تک کا راستہ بھی معلوم
نہ تھا اور رات ہو آئی تھی اتنے میں ہمارے سنیاسی مہاتما اور
راجہ بھی جو کہ ان کے پیچھے آ رہے تھے اس کے رونے کی دردبھری
آواز سن کر اس کے پاس آ گئے اور اسے ہر طرح دلاسا دینے لگے
سادہو نے کہا پتری اب مت رونے سے کیا ہوتا ہے۔ جوگی
بھی کیسی کے مست ہوتے ہیں رمتے رام ہیں تجھے خبر کہاں گھبرا کر
رات تو اسی جنگل میں کاٹ کیونکہ اندھیری ہے ہم لوگ بھی راستہ
نہیں ڈھونڈ سکتے۔ بھگوان نے چاہا۔ تو صبح ہوتے ہی تجھے
اس جنگل سے باہر کر دینگے اب تو اسی درخت کے سائے میں رات
بسر کرو۔

اس درخت پر ایک پرند کا گھونسلا تھا۔ اس میں وہ
اس کی بیوی اور تین بچے رہا کرتے تھے اس چھوٹے سے پرند
نے نیچے کی طرف دیکھا تین آدمیوں کو اس پیڑ کے نیچے بیٹھا
ہوا پایا اس نے اپنی جورو سے کہا پیاری آج تمہارے گھر
مہمان آئے ہیں ہم ان کی کیا خاطرداری کریں آج ایسی سردی
پڑ رہی ہے اور ہمارے گھر میں آگ تک بھی نہیں جو اس سے
ہی ان کو آرام پہنچاتے اچھا تو ٹھہریں کہیں سے آگ لاتا ہوں

یہہ کہکر وہ وہاں سے اڑا اور تہوڑی دیر میں وہ اپنی چونچ میں ایک جلتی ہوئی چھوٹی سی لکڑی دبا کرلے آیا جسے اس نے نیچے مسافروں میں گرادیا انہوں نے اسے غیبی امداد سمجھ کر ادہر ادھر سے لکڑیاں اکھٹی کر کے خوب آگ روشن کر لی اور اسی کے سہارے رات بسر کرنے کی ٹھانی۔

آگ خوب روشن ہوگئی لیکن اس چھوٹے سے پرند کو تسلی نہ ہوئی اس نے پھر اپنی جورو سے کہا پیاری کیا کریں یہ تو بھوکے ہوں گے۔ ہمارے پاس کیا ہے۔ ہم انہیں کیا کھانے کو دیں ہم گرہستی ہیں بھوکے کو بھوجن کرانا دہرم ہے اگر مہمان ہمارے گہر سے بھوکے گئے تو ہمارا دہرم بگڑ جائے گا اس لئے جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا میں ان کی خدمت کروں گا میں اپنے آپ کو ان کے ارپن کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ ان کی روشن کی ہوئی آگ میں خود ہی جا کر گر گیا مہمانوں نے اسے آگ میں گرتے دیکھا ہر چند زندہ نکالنے کی کوشش کی مگر نکالتے نکالتے اس کا پران پکھیرو اڑ ہی گیا۔ اپنے خاوند کی یہ کارگذاری بیوی نے بھی دیکھی بچوں سے کہا پیارو یہ تین آدمی ہیں ایک پرندہ کے گوشت سے ان کا کیا پیٹ بھر سکتا ہے۔ میں بھی اپنے پیارے پتی کی پیروی کرتی ہوں کیوں کہ میں ان کی اردھنگی ہوں میرا یہ دہرم ہے کہ جس کام کو وہ پورا نہیں کر سکے اس کے پورا کرنے کی کوشش کروں اس لئے میں اپنا شریر بھی ان کے ارپن کرتی ہوں یہ کہکر وہ بھی اڑی اور پھر پھڑا کر آگ

میں گر گئی تو اُس کا بھی پران نکل گیا۔ تینوں چھوٹے بچوں نے اپنے ماں باپ کی اس کارروائی کو دیکھا اور آپس میں یوں کہنے لگے "بھائیو! ہمارے ماں باپ سے جو کچھ ہو سکا۔ وہ کر گذرے مگر اب بھی انکا مطلب پورا نہیں ہوا ان دونوں کا گوشت ان تینوں مہمانوں کے پیٹ بھرنے کا فی نہیں ہمارا بھی یہی فرض ہے کہ ہم بھی جہاں تک ہو سکے اپنے ماں باپ کے کام کو پورا کریں۔ اور اس کوشش میں اپنی جان تک دینے میں دریغ نہ کریں۔ آؤ ہم بھی اپنے گوشت کو ان لوگوں کی نذر کریں۔ تاکہ یہ پیٹ بھر کر ہمارے حق میں دعا سے خیر کریں یہ کہکر وہ تینوں بھی جلتی ہوئی آگ میں آگرے اور اسی طرح اپنے گوشت دھرم کو نبھا گئے۔
وہ تینوں شخص ان پرندوں کو کیا کھاتے وہ تماشہ دیکھ دیکھ کر اچنبھے میں تھے کسی نہ کسی طرح انہوں نے بغیر دانہ پانی کے یہ رات کاٹی جوں توں کر کے صبح ہوئی۔ سنیاسی اور راجہ نے راجکماری کو جنگل سے باہر کر کے اس کے باپ کی راجدھانی کے رستے پر ڈال دیا اور وہ اپنے باپ کے پاس واپس چلی گئی۔
اس کے بعد سنیاسی راجہ سے بولا راجن۔ تم نے دیکھا کہ کیسے سنیاسی اور گرہستی ہیں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر بڑے ہیں اگر تم گرہست میں رہنا چاہتے ہو تب تو ان پرندوں کی طرح ہر وقت دوسروں کے واسطے اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے رہو اور گھر تم دنیا چھوڑ کر سنیاسی ہونا چاہتے ہو تو اس نوجوان سنیاسی کی طرح ہو جیسے خوبصورت خوبصورت عورت اور ہر ایک بھاری سلطنت کا لالچ بھی راہ سے نہ ڈگمگا سکیں۔ جو گرہستی بننا چاہتے ہو تو اپنی دھن دولت تو جسم اور جان تک کو دوسروں کے فائدہ کے واسطے نثار کرنے کو تیار رہو۔ سنیاسی بننا ہو تو ان ایسے ہو کہ خوبصورتی دولت اور طاقت کی طرف تمہارا دھیان نہ جائے۔ اور تمہیں اس کی خواب تک میں بھی پرواہ نہ ہو ایسے گرہستی اور ایسے سنیاسی اپنی اپنی

جگہ۔ یہ دونوں ہی چھوٹے ہیں۔ نہ وہ اس سے بڑا ہے نہ یہ اس سے لیکن جو ایک
کا کرم دھرم ہے۔ وہ دوسرے کا نہیں۔ کرم دھرم دونوں کے مختلف ہیں
کورو کشیتر کے جنگ کے بعد پانچوں پانڈوں نے ایک بہت بھاری یگیہ
کیا جس میں انہوں نے غریبوں کو بہت ہی کچھ دان دیا۔ تمام آدمی اس یگیہ کی عظمت
اور اس کے اخراجات پہ حیرت ظاہر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسا یگیہ ہم نے اب تک دنیا
میں کہیں ہوتا نہیں دیکھا۔ کبھی اور کسی مہاراجہ نے اب تک ایسا مہان یگیہ نہیں کیا
جب یہ یگیہ ختم ہو چکا تو ایک لنگور کہیں سے چلا آیا۔ اس کا آدھا جسم سنہری تھا
مگر آدھا بھورا تھا۔ اس لنگور نے یگیہ کی جگہ لوٹنا شروع کیا۔ کچھ دیر بعد
جب کہ وہ خوب لوٹ چکا۔ تو اس نے لوگوں سے کہا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو
یہ یگیہ نہیں ہے!" لوگ حیران ہو کر کہنے لگے۔ کیوں۔ کیا تم اسے یگیہ
نہیں مانتے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس یگیہ میں کتنا دھن مال ہیرے
اور جواہرات خرچ ہوئے ہیں۔ اور اس کی بدولت کتنے فقیر امیر ہو گئے
ہیں۔ ایسا یگیہ کرنا تو کیا آج تک کسی نے دیکھا سنا بھی نہ ہوگا۔ لنگور مسکرایا
اور کہنے لگا۔ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس میں ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کے گھر
میں اس کی بیوی۔ اس کا لڑکا اور اس لڑکے کی بہو تین آدمی اور تھے وہ بہت
غریب تھے۔ پڑھاتے اور اپدیش دیتے۔ جو تھوڑا بہت ان کو ملتا تھا۔
اسی سے ان کی بدقت تمام روز گزران ہوتی تھی۔ اس علاقہ میں ایکبار تین
سال کا قحط پڑا۔ اس میں اس برہمن کو بہت سخت مصیبت جھیلنی پڑی۔ ایک
مرتبہ کنبہ بھر کو پانچ روز کا فاقہ گزرا۔ چھٹے روز بوڑھا برہمن کہیں سے
تھوڑا سا جو ستو لایا۔ اور اس کے برابر کے چار حصے کر کے بانٹ دیئے
جب سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ اور وہ کھانے کے لئے تیار ہوئے کہ ایک شخص

نے اُس کے دروازہ کو کھٹکھٹایا۔ بوڑھے نے جاکر دروازہ کھولا۔ باہر ایک
ایک مہمان کھڑا ہے۔ ہندوستان میں مہمان کی بہت تعظیم ہوتی ہے
اسے بڑا متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اسے خدا کا نائب خیال کر کے اس کی خاطر
تواضع کی جاتی ہے۔ بوڑھے برہمن نے اس کا بڑا آدر ستکار کیا۔
آئیے۔ آپ نے بڑی کرپا کی۔ اندر پدھاریئے۔" کہہ کر اسے مکان کے اندر
لایا۔ اور بڑے پریم اور بھگتی سے اپنے حصے کا ستو اس کی نذر کیا وہ اسے
جلدی سے کھا گیا۔ اور کہا کر کہنے لگا۔ مہاراج۔ تمہیں تو پتہ ہے بیابان میں
دس دن سے فاقے سے ہوں۔ اب تک میری بھوک دبی ہوئی تھی۔
مگر کھاتے ہی پھر بھڑک اٹھی۔ اب نہیں رہا جاتا۔ کچھ اور ہو تو لاؤ۔ برہمن
حیران تھا۔ اس کی استری نے کہا اب میرا حصہ دے دو۔ برہمن نے
جواب دیا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مگر استری نے پھر اصرار کر کے کہا
نہیں یہ غریب ہے ہمارا گرہستھ دھرم یہ ہے۔ کہ اسے بھوجن
کرائیں آپ نے اسے اپنا حصہ دے دیا۔ اب آپ کی اردھانگی ہونے کی حیثیت
ہیں یہ میرا دھرم ہے کہ میں اپنا حصہ بھی اسے دے دوں
تاکہ وہ ترپت ہو۔ یہ کہہ کر اس برہمنی نے اپنا حصہ بھی
اسے دے دیا۔ اور اس نے اسے بھی کھا لیا۔ لیکن اس کی
سیری نہ ہوئی۔ اور اس نے اور مانگا۔ لڑکے نے کہا۔ اسے
میرا حصہ بھی دے دو۔ پتر کا دھرم ہے کہ اپنے ماتا پتا کو ان
کا دھرم پالنے میں ہر طرح سے مدد دے۔ لڑکے کا بھی حصہ
مہمان کی نذر کر دیا گیا۔ اور اس نے اسے بھی کھا لیا۔ مگر پھر بھی اس
کی تشفی نہ ہوئی اور مانگنے لگا۔ اس پر بہو کا حصہ بھی اس کی بھینٹ کیا

تب جا کر کہیں اس کا پیٹ بھرا۔ اور وہ تو انہیں آشیرباد دیتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ لیکن ان چاروں کے پران بھوک کے مارے اسی رات کو پکھیرو ہو گئے۔ اور جسم خاکی کو چھوڑ کر پرواز کر گئے اس ستو کا کچھ چٹکن جھوٹن وہاں زمین پر گر گیا تھا۔ خوش قسمتی سے میں بھی وہاں کہیں سے پہنچ گیا۔ اور اس زمین پر لوٹنے لگا۔ لوٹتے ہی میرے اس کروٹ کے بال سنہری ہو گئے۔ تب سے میں تمام دنیا میں گھومتا ہوں جہاں کہیں کسی یگیہ کی خبر سنتا ہوں۔ وہاں ہی اس امید سے پہنچتا ہوں کہ شاید ویسا ہی یگیہ ہوا ہو۔ اور میرے باقی بال بھی سنہری ہو جائیں۔ مگر کہیں آرزو بر نہیں آتی۔ یہاں بھی ناکامیابی ہی رہی۔ اور مجھے مایوسی ہی اٹھانی پڑی۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ یگیہ کوئی یگیہ نہیں۔

خیرات کا یہ خیال ہندوستان سے دن بدن دور ہوتا جاتا ہے۔ ایسے آدمی کم ہی کم ہو رہے ہیں۔ جب میں نے انگریزی پڑھنی شروع کی تھی۔ تب میں نے ایک کہانیوں کی کتاب پڑھی تھی اس میں پہلی کہانی ایک فرمانبردار لڑکے کی تھی۔ لڑکا کہیں کمانے گیا تھا۔ جو کچھ وہ کما کر لایا اس میں سے کچھ اپنی ماں کو بھی لا کر دے دیا۔ صرف اسی کام کے لئے کتاب کے تین چار صفحوں میں اس کی تعریف کے گیت گائے گئے تھے۔ یہ اس نے کیا کیا کوئی ہندو بچہ اس کہانی کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔ میں بھی اس کا مطلب اب سمجھ سکا ہوں جب کہ مجھے مغربی خیالات کا پتہ لگا ہے۔ یہاں ہر شخص صرف اپنے لئے دھن کماتا ہے بعض آدمی خود تو ہر طرح سے عیش و عشرت اڑاتے ہیں مگر اپنے ماں باپ چھوڑ کر

بچے کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ کبھی اور کہیں بھی گرہستی کا ایسا نیچ خیال ہونا مناسب نہیں +

اب آپ کو یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ کرم یوگ کا مطلب یہ ہے کہ مرتے مرتے بھی بغیر کچھ پوچھے دوسرے کی خدمت کر گزرو۔ لاکھ لیا مرتبہ دینہ کا کپاؤ۔ مگر سوال نہ کرو۔ اور کبھی اس بات کا خیال نہ کرو کہ تم کیا کر رہے ہو۔ غریبوں کو دان دے کر کبھی شیخی نہ مارو اور یہ امید نہ رکھو کہ وہ تمہارے ممنون احسان ہونگے۔ بلکہ تم خود ان کے شکرگزار ہو کہ انہوں نے تمہیں خیرات کرنے کا ایسا عمدہ موقع دیا۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ کمل اور پورے آدرش گرہستی ہونا آدرش سنیاسی ہونے کی نسبت زیادہ مشکل ہے کام کرنے کا سچا جیون تیاگ کے ویسے ہی سچے جیون کی نسبت زیادہ کٹھن ہے +

اوم شم

کیا روح لافانی ہے۔

مصرع۔ لاتبدل کا کوئی ناش نہیں کر سکتا۔ بھگوت گیتا

نوٹ۔ سری سوامی جی مہاراج نے مندرجہ ذیل مضمون اخبار نیویارک مارننگ اڈورٹائزر میں شائع کرایا تھا۔ کہ سنسکرت کی مشہور نظم مہابھارت میں یہ بیان آتا ہے کہ جب مہاراجہ یدھشٹر سے دھرم راج نے دریافت کیا کہ دنیا میں سب سے عجیب اور حیرت انگیز بات

کیا ہے تو مہاراجہ یدھشٹر نے جواب دیا کہ انسان اپنی زندگی میں تقریباً ہر روز اور دن کو مرتے دیکھتا ہے۔ مگر خود یہی سمجھتا ہے کہ یہ کبھی بھی نہیں مرے گا اس سے زیادہ عجیب اور کیا ہو سکتا ہے

سچ پوچھو تو انسانی زندگی کا یہی سب سے عجیب خاصہ ہے مختلف خیالات کے اور مختلف عقائد کے ماننے والوں کی۔ مختلف دلائل کے باوجود بھی محسوسات اور غیر محسوسات کے دنیا کے درمیان جو پردہ لٹک رہا ہے۔ انسانی عقل میں اس پردہ کے ہٹانے کی قابلیت نہ ہونے کے باوجود بھی انسان کا دل یہی جانتا ہے کہ وہ کبھی نہیں مر سکتا اور یہ خیال اس کے دل سے کسی طرح دور نہیں ہو سکتا۔

ہم عمر بھر پڑھتے رہیں مطالعہ کرتے رہیں لیکن پھر بھی آخر میں زندگی اور موت کے سوال کو پوری طرح حل نہ کر سکیں گے اور اس کا اثبات یا نفی میں جواب دینے میں قاصر ہی رہیں گے ہم انسانی ہستی کی دائمیت اور لافانیت کے حق میں یا خلاف خواہ کتنا ہی کہیں کتنا ہی لکھیں کتنا ہی ایڈیشن کریں کتنا ہی سکھائیں ہم اس یا اس عقیدہ کے خواہ کیسے ہی زبردست حامی اور پرچارک کیوں نہ ہو جائیں خواہ ہم سینکڑوں نام ایک سے ایک لچھے دار اور پیچدار گھڑ لیں کچھ عرصے کے لئے اپنے خیال خام میں یہ سمجھ لیں کہ ہم نے اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے حل کر لیا صرف یہی نہیں بلکہ خواہ ہم جتنی مضبوطی

سے ہم سے ہو سکے مذہب کے یا اس سے بھی بدتر سائینس کے
کسی وہمی مسئلہ کو ماننے لگیں۔ لیکن آخر میں ہم اپنے آپ کو عقل
کی بھول بھلیاں میں پھنسا پاوینگے اور ہمیں اس سے نکاس
ناممکن ہی دکھائی دے گا۔ ہمیں یہی معلوم ہو گا کہ ہم ایک ایک
کر کے ان الجھی اور دماغی مسائل کی باریک سوئیوں کو اکٹھا کرتے ہیں
لیکن پھر وہ کسی نہ کسی طرح پھیل ہی جاتی ہیں اور ہمیں از سر
نو محنت شروع کرنی پڑتی ہے

لیکن اس تمام دماغی محنت اور تکلیف کے بعد جس سے
اکثر نہایت خطرناک نتائج ہی پیدا ہو جاتے ہیں ایک راستی
ایسی ہے جس کا اب تک کسی نے رد نہیں کیا اور نہ کوئی کر سکتا
ہے۔ وہ یہ کہ ہمارا دماغ ہماری بربادی اور محدومی کا کبھی۔
خیال نہیں کرتا اور نہ کر ہی سکتا ہے۔ اس میں یہ قابلیت۔
ہی موجود نہیں ۞

اپنی بربادی اور فنا کا خیال کرتے ہوئے بھی ایسا معلوم
ہوتا ہے گویا کہ میں موجود ہوں اور اس تماشہ کو دیکھ رہا ہوں
لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ اس عجیب
بات کا مطلب اور معنی کیا ہیں۔ ہمیں یہ نوٹ کر لینا چاہیئے
کہ ایسی ایک سچائی پر سب دنیا کھڑی ہے۔ بیرونی دنیا کا
مستقل اندرونی دنیا کے استقلال سے ایسی وابستہ ہے
کہ علیٰحدہ نہیں کی جا سکتی خواہ کوئی مسئلہ جس میں کہ ایک
کی مستقلی سے انکار اور دوسرے کی پائداری کا اقرار ہو

ظاہراً کیسا ہی اطمینان بخش کیوں نہ ہو لیکن اس مسئلہ کے ماننے والے کو خود ہی یہ معلوم ہو جائے گا کہ بیرونی اور اندرونی دُنیا جو کہ ایک ہی چیز کے دو مختلف حصے ہیں دونوں کو مستقل ماننے بغیر اس کا دنیا جسم کوئی بھی ایسا فعل نہیں کر سکتا جس کا کہ اسے علم ہو سکے۔ اگرچہ یہ بالکل صحیح ہے کہ جب انسانی دماغ اپنی حدود سے باہر نکل جاتا ہے تو اسے یہ دونوں ایک ہی۔ ایسے ایک جو کہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہو سکیں معلوم ہوتے ہیں ایک طرف تو دنیا یعنی وہ دنیا جسے کہ ہم دیکھ رہے اور جان رہے ہیں۔۔۔۔۔ واقع ہے اور یہ ہمیں صرف کسی فاعل کے واسطے مفعولی حالت میں۔ یعنی کسی بھوگنے والے کے لئے بھوگ کی حیثیت میں ظاہر ہوتے لگتے ہیں اس لئے فاعل یا بھوگنے والے کی فنا اور بربادی کا خیال کرنے سے پیشتر ہمارے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم مفعول یا بھوگ کی بربادی اور فنا کا بھی خیال کریں۔

یہاں تک تو بات صاف ہے۔ لیکن اب مشکل پیدا ہوتی ہے۔ میں معمولی طور پر اپنا خیال اسی طرح کر سکتا ہوں کہ میں صرف یہ جسم ہی ہوں میرا اپنی موجودگی کا خیال صرف میرے اس جسم کی موجودگی کے خیال تک ہی محدود ہے۔ لیکن یہ جسم صریحاً غیر مستقل ہے۔ اور اسی طرح یہ تمام قدرت کے کارخانے ہمیشہ نیست و نابود ہونے والے ہیں۔

تو پھر یہ بقا اور استقلال کس کو ہے؟

ہماری زندگیوں کے ساتھ اور بھی عجیب جھگڑا لگا ہوا ہے اس کے بنا کون زندہ رہ سکتا ہے
یا ایک منٹ کے لئے بھی زندگی کا لطف اٹھا سکتا ہے کوئی بھی نہیں وہ کیا ہے وہ آزادی اور خود مختاری کا خیال ہے
یہ وہ خیال ہے جو کہ ہمارے ہر قدم کی رہنمائی کرتا ہے ہماری ہر ایک حرکت کو ممکن بناتا ہے اور ہر ایک سے ہمارا رشتہ
قایم رکھتا ہے صرف یہ ہی نہیں بلکہ یہ خیال ہی انسانی زندگی کا تانا بانا ہے دماغی علم اسے اس کے
حدود سے نکالنا چاہتا ہے۔ اسکی ریاست اور مملکات کی چوکی کے بعد چوکی اس سے چھینا جاتا ہے اور قدم قدم کو
علت معلول کی مدد سے مضبوط بنایا جاتا ہے؛

لیکن یہ خیال ہمارے تمام گزشتہ بندشوں اور سکارلٹ دیکھو یہ تو علت معلول کی تمام قیود اور زنجیروں
کو جیسے کہ ہم اسے جکڑ کر دم گھونٹ کر مارنا چاہتے تھے۔ توڑ کر یہ باہر نکل آیا؛

اسکے سوا اور یہ بھی کیا سکتا ہے محدود کی تشریح کے لیئے لامحدود کا ہونا لازمی ہے
بندہا ہوا جب ہی معلوم ہوتا ہے جبکہ آزاد کے ساتھ اسکا مقابلہ کیا جاوے۔ بندہا ہوا بغیر بنے
ہوئے کی بدولت ہی جانا جا سکتا ہے؛

لیکن یہاں بھی دہی مشکل سامنے آتی ہے۔ آزاد کیا ہے۔ کیا یہ جسم۔ یا یہ دل یہ صاف ظاہر
معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھی قانون قدرت میں ایسے ہی جکڑے ہوئے ہیں جیسے باقی
سب دنیا؛

اب یہ سوال اس گھوم گھمیاں میں آ پھنسا۔ یا تو تمام دنیا ہمیشہ جاری رہنے والے
اور کبھی ختم نہ ہونے والے علت معلول کے سلسلہ کا مجموعہ ہے اور اس کے سوا کچھ بھی
نہیں۔ یہ سب علت معلول کے قانون سے ایسا جکڑا ہوا ہے کہ اس سے علیحدہ
نہیں ہو سکتا ایک ذرہ کی بھی اپنی کچھ ہستی نہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے
بھی یہ مستقلی اور آزادی کا عجیب طور سے دہوکا پیدا کرتی ہے یا ہم میں اور اس
دنیا میں کوئی چیز ایسی ضرور ہے جو کہ ہمیشہ رہنے والی اور آزاد ہے۔ اور
انسانی دماغ کا ابتدائی خیال صرف دہوکا ہی دہوکا نہیں۔ سائنس کا فرض ہے کہ اسی

کو اچھی طرح عام حالت میں نظر کے سامنے لاکر اس کی تشریح کرے اس لیئے کوئی ایسی تشریح جو کہ اصلی راستی کے ایک خاص حصّہ کو پہلے ضایع کر کے باقی پر عاید ہوتی ہے سائنس کہلانے کی مستحق نہیں کچھ اور ہی ہو تو ہو +

اس لئے کوئی ایسی تشریح جو کہ اس نہایت ضروری اور ہر حالت میں قایم رہنے والے آزادی کے خیال کو نظر انداز کرنا چاہتی ہے اصلی راستی کے ایک حقّ سے انکار کر کے باقی کو ثابت کرنے کی مذکورہ بالا غلطی کرتی ہے اس لیئے وہ تشریح ٹھیک اور سائنس کی مسلمہ نہیں ہو سکتی۔ غلط ہے +

اب ہمارے لیئے یہی رہ گیا کہ ہم اپنے خاص اور سوبھاؤ کے موافق یہ مان لیں کہ ہم میں کوئی چیز ایسی ضرور ہے جو کہ آزاد اور مستقل ہے +

لیکن یہ جسم نہیں اور من بھی نہیں جسم ہر لحظہ فنا ہوتا ہے وہ اور من میں ہر وقت تبدیلی جاری رہتی ہے جسم مرکب ہے من بھی ایسا ہی ہے اور اس لیئے اس حالت کو جو کہ ہر طرح کی تبدیلی سے بری ہے نہیں پا سکتا +

لیکن اس کثیف مادہ کے فانی غلاف سے پرے من کے لطیف خول سے بھی پرے آتا ہے یہی انسان کی اصلی ہستی ہے جو کہ لافانی اور آزاد ہے +

یہ اسی کی آزادی ہے جو من اور جسم کی تمام میں سرایت کی گئی ہے۔ اور تمام دردوں کے بردوں کے باوجود بھی اپنی نہ فنا ہونے والی موجودگی کا اعلان کرتی رہتی ہے۔ یہ اسی کی لافانی برکت آنند اور جھلک ہے جو کہ چمکتی رہتی ہے جو کہ اگیان اور اودیا کی موٹی سے موٹی تہوں میں بھی کبھی کبھی اپنی چمک دکھا جاتی ہے وہ ہی اصلی آدمی ہے۔ جو کہ کبھی نہیں ڈرتا کسی سے نہیں مرتا۔ اور ہمیشہ آزاد ہے +

لیکن پوری آزادی اسی وقت ممکن ہے جب کوئی بیرونی طاقت اس پر اپنا اثر اور دباؤ نہ ڈال سکے اور اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔ آزادی اس شخص کے لیئے ممکن ہے جو

کہ سب حالتوں سے سب قوانین اور علت معلول کی سب بندشوں سے باہر ہے۔ یا یوں کہئے
کہ صرف تبدیل نہ ہونے والا ہی آزاد ہو سکتا ہے۔ اور آزادی ہی لاثانی ہو سکتی ہے۔
یہ ہستی یہ آتما۔ یہ انسان کی اصلی ہستی۔ آزاد۔ لاتبدیل سب حالتوں سے پرے ہے
اور ایسا ہونے کی وجہ سے نہ اس کا جنم ہے نہ مرن۔
نہ جنم مرن سے راحت۔ ازلی۔ ابدی۔ ہمیشہ رہنے والا۔ جیسا تما ہے۔ جو ہمارے شریر میں ہے

اوم شم

سوشل رفارم کا اصلی طریقہ

(مندرجہ ذیل اقتباس سوامی جی کے ایک لیکچر سے ہے جو کہ آپ نے مدراس میں دیا تھا لیا جاتا ہے)

رفارمروں کو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ان کی نسبت بڑا ریفارمر ہوں۔ وہ صرف چھوٹی چھوٹی ریفارم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں جڑ والی سب کی ہی اصلاح چاہتا ہوں ان کا طریقہ توڑ پھوڑ کا ہے لیکن میرا طریقہ بناوٹ کا ہے۔ میں رفارم پر یقین نہیں رکھتا۔ میرا یقین بالیدگی پر ہے۔ میری یہ ہمت ہی نہیں ہو سکتی کہ میں اپنے آپ کو خدا کی جگہ پر رکھ کر سوسائٹی کے سر پر رفارم کا طریق قایم کر سکوں اور ان سب سے کہہ سکوں کہ تم صرف اسی ڈھنگ پر اپنی اصلاح کرو اور اس کے سوا کوئی اور طریقہ کام میں نہ لاؤ۔

میں تو اس گلہری کی مانند اپنا عاجزانہ کام کرنا چاہتا ہوں جس نے اپنے بساط کی موافق سری رام چندر جی کو سمندر کا پل باندھنے میں مدد دی تھی اور مہاراج کے پل پر اپنے حصہ کی مٹی ڈال کر مطمئن ہو گئی تھی۔ میرا بھی یہی حال ہے اس عجیب و غریب قومی مشین کو کام کرتے ہوئے مدت گزر گئی عرصہ دراز سے قومی زندگی کا یہ دریا بہتا چلا آتا ہے۔ ہزاروں حالتیں اس کے چاروں طرف جمگھٹا کئے ہوئے ہیں

اور اس کی چال اور بہاؤ میں تغیر تبدیل پیدا کرتی ہیں کبھی اسے تیز کرتی ہیں کبھی آہستہ اسکی حرکت پر حکومت کرنے کی کسکو جرات ہو سکتی ہے گنگا کا اپدیش ہے کہ ہمارا دھرم صرف کام کرنا ہے بعد ازاں ہمیں مطمئن ہو کر کھڑا ہو جانا چاہئیے نتیجے کے لئے فضول ہاتھ پاؤں مارنے کی ضرورت نہیں ضروری ایندھن اس اگنی میں تیزی اس میں اپنے ڈھنگ سے آپ ہی آ جائیگی۔ ترقی کو کوئی بھی اپنی مرضی کے موافق نہیں کر سکتا ہماری سوسائیٹی میں بہت سی خرابیاں ہیں لیکن ایسی خرابیاں تو ہر جماعت اور فرقہ میں ہیں کونسا گروہ ان خرابیوں سے خالی ہے اس دنیا میں سب جگہ آنسوؤں کے دریا بہتے ہیں یہاں بدھوائیں رو رہی ہیں۔ مغرب میں کنواری لڑکیوں کے آہ و بکا سے ہوا میں زہریلا مادہ پیدا ہو رہا ہے یہاں مفلسی زندگی گنوائے دیتا ہے لیکن عیش و عشرت کی زندگی سے سیری اور اکتا جانا وہاں کے لئے باعث مصیبت ہے یہاں انسان اس وجہ سے خودکشی کرنا چاہتے ہیں کہ بھوکوں مرتے ہیں فاقہ کشی کی اذیت ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی ہے لیکن وہاں وہ خودکشی اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے پاس کھانے کو بہت ہے اور وہ اسے کھا نہیں سکتے جبکہ گلا گھٹا ہے، ہر جگہ درد ہوتا ہے ویسا ہی دنیا میں ہر جگہ کچھ نہ کچھ خرابی ہے ٹھیک جیسے درد کو پاؤں سے نکالو سر میں جا پہنچیگا ایک جگہ سے دور کرو۔ دوسری جگہ قابو پا جائے گا یہی حال اس دنیا کا ہے ایک خرابی کا علاج کرو دوسری کہیں اور پیدا ہو جائے گی۔ یہ سوال صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ اسکا پیچھا کرنے کا ہے اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہاں بیشک اس میں شک نہیں کہ خرابی دور کرنا ہی اصلی راستہ ہے ہمارا فلسفہ سکھاتا ہے کہ جہاں میں ہمیشہ سے نیکی اور بدی اسی طرح ساتھ ساتھ چلی آتی ہیں جیسا کہ ایک ہی روپیہ کی دو طرف ہوتی ہیں۔ ایک کو۔ دونوں ہی لینی پڑیں گی۔ یہ ممکن نہیں کہ تم ایک ہی طرف لے سکو سمندر میں ایک حصہ کو ابھار دو پاس کے مقابلے میں کہیں نہ کہیں خلا اور ہیجان ضرور پیدا ہوگا زندگی ہی خرابیوں سے پر ہے کمی اور کوتاہی کے بغیر ہم دنیا میں ایک سانس بھی نہیں لے سکتے۔ اور کسی کو

خوراک سے محروم کئے بغیر ہم ایک لقمہ بھی نہیں کھا سکتے یہ قانون ہے یہ فلسفہ ہے
اس لئے ایسی صورت میں جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ صرف یہ سمجھ لیں
کہ خرابیوں کی مخالفت، زیادہ تر فاعلی ہے مفعولی نہیں خواہ کوئی کتنا
ہی بڑھ بڑھ کر باتیں بنائے بدیوں کی مخالفت کا کام اصلی نہیں بلکہ
تعلیمی ہے۔ ہاں میں پھر کہونگا۔ کہ خرابیوں کی مخالفت کا کام شروع کرنے
سے پہلے ہمیں اس خیال کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اس سے ہمیں۔
اطمینان اور شانتی ہونا لازمی اور لابدی ہے اسکی بدولت ہمارے
خوفِ تعصب کا رنگ دور ہو جائیگا اور پھر ہمیں تاریخ کے مطالعہ سے
یہ سبق حاصل ہوگا کہ جہاں کہیں بھی تعصب اور جوش سے اندھے
ہو کر اصلاح کا کام شروع کیا گیا ہے وہاں صرف اس تعصب اور
جوش کی بدولت ہی کام بگڑا ہے۔ اور منظور نظر مقاصد کے حاصل
کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ حقوق اور آزادی کے قائم کرنے
کے لئے شاید کبھی ایسا جوش و خروش نہ پھیلا ہوگا جیسا کہ امریکہ
میں طریق غلامی کی نیست و نابود کرنے کے لئے ہوا تھا اس سے
زیادہ جوش و خروش کا خیال تک دل میں آنا مشکل ہے آپ
میں سے سب کو اس کا حال اچھی طرح معلوم ہے لیکن نتیجہ
کیا ہوا غلاموں کی جو حالت اس تحریک سے پہلے تھی آج اس
سے ہزار درجہ بدتر حال ہے اس تحریک سے پیشتر یہ بیچارے
جنسی کسی کی میراث تو تھی اور اس حالت میں مالک کا یہ فرض تو تھا کہ
ان کی ضروری ضروریات کا خیال رکھے اور ان کی غور پرداخت کر
اور انہیں برباد اور نیست و نابود ہونے سے بچائے لیکن آج وہ

کسی کی بھی ملکیت نہیں انکی زندگی اور جان کی کچھ بھی قدر نہیں وہ ذرا ذرا
سے بہانوں پر زندہ جلا دیے جاتے ہیں انہیں گولی سے مار دیا جاتا ہے لیکن
انکے قاتلوں سے کوئی قانونی بازپرس نہیں کرتا کس لئے کیونکہ وہ حبشی
اور کالے ہیں وہ انسان نہیں وہ حیوان بھی نہیں یک بیک تعصب یا قانون کے
ذریعہ کسی خرابی کی بیخ کنی کا یہ نتیجہ ہے ہر قسم کے تعصب اور جوش کے خلاف
خواہ وہ نیکی کیلئے ہی کیوں نہ ہو تاریخ کی یہ شہادت ہے ہم نے یہ سب اپنی آنکھوں
سے دیکھا ہے اسواسطے ہمیں ان میں سے کسی ایسی سوسائٹی میں جو ایک دوسرے
کی برائی دیکھاتی ہے اور اس سے دور کرنا چاہتی ہے شامل نہیں ہو سکتا
کسی کی برائی کیطرف اشارہ کرتی ہو بے عیب کون ہے۔ کس فرقہ۔ گروہ قوم یا مذہب میں خرابیاں
نہیں ہر شخص اسباب کو اچھی طرح جانتا ہے آجکل کا ہر ایک بچہ ان برائیوں کو
اچھی طرح جانتا ہے اور پلیٹفارم پر کھڑا ہو کر ہندو سوسائٹی کی خرابیاں ہر ایک
الٹی سیدھی لیکن جوش اور تعصب سے بھری تقریر کر سکتا ہے ہر ایک غیر ملکی سیاح
جسے یہاں کی زبان تک سے پوری پوری واقفیت حاصل نہیں جو دنیا کے گرد
چکر لگاتا ہوا یہاں پر آتا ہے ریل میں بیٹھا ہوا ہر شخص خرابی کو بتا سکتا ہے
لیکن بنی نوع انسان کا دوست اور خیر خواہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ
اس خرابی کو دور کرنے اور اس مصیبت سے رہائی پانے کا راستہ بتا سکتا ہے
ہمارے آدمی بھی کہتے ہیں لیکچر بازی بہت ہو لی ہم نے سب کچھ سن لیا کافی
سبھائیں اور سماجیں ہو لیں کافی اخبارات جاری ہو چکے لیکن وہ آدمی کہاں ہیں
جو ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں دکھ کے سمندر سے باہر کھینچیں گے وہ انسان کہاں
جو ہمیں سچے دل سے محبت کرتے ہیں وہ بہادر کہاں ہیں جو
ہمارے ساتھ اصلی ہمدردی رکھتے ہیں ہاں ہاں۔ ایسے ...

ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ صرف یہی ایک بات ہے جس میں اُن اصلاح یا اصلاح پکارنے والوں سے میں متفق نہیں۔ سو برس پہلے بھی وہ یہ ہی کام کرتے تھے۔ ان کی اس چیخ پکار سے کیا فائدہ ہُوا۔ انہوں نے کون سا اچھا کام کیا۔ سوائے اسکے کہ نکتہ چینی اور عیب جوئی سے بھرا ایک علم ادب پیدا کر کے پھیلا دیا۔ میرے پرماتما سے تہ دل سے یہ عرض ہے۔ کہ ہے ایشور تو ایسا کرتا کہ یہ علم ادب اور لٹریچر یہاں پر نہ ہوتا۔ انہوں نے نکتہ چینی کی عیب جوئی کی۔ پرانے خیالات والوں کو گالیاں دیں یہاں تک گالیاں دیں۔ کہ ان سے برداشت نہ ہو سکیں۔ ان پر بھی یہ بھوت سوار ہو گیا اور انہوں نے بھی اینٹ کا جواب پتھر دینا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ہر زبان میں اس قسم کا ایک لٹریچر پیدا ہو گیا۔ جو کہ آریہ جاتی کے لئے باعث شرم اور بھارت کے لئے باعث ندامت ہے۔ کیا یہ اصلاح اور رفارم ہے۔ کیا اسی راستہ سے آپ قوم کو ترقی اور شہرت کی منزل تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ یہ کس کا قصور ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات قابل غور ہے۔ ہندوستان میں راجہ اور بادشاہ ہم پر حکومت کرتے چلے آئے ہیں۔ اور ان راجاؤں اور بادشاہوں نے ہی ہمارے قانون بنائے تھے۔ اب وہ راجہ مہاراجہ تو گئے۔ ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں رہا۔ گورنمنٹ ایسا کرنے کی ہمت اور جرأت نہیں کر سکتی۔ اسے اپنے آپ ہی عام رائے کی ترقی کے ساتھ اپنا راستہ ٹھیک کرنا ہے مضبوط اور صحیح عام رائے۔ جو کہ اپنے معاملات کو آپ سمجھا سکے۔ طیار کرنے کے لئے ایک عرصہ دراز کی ضرورت ہے۔ سوشیل رفارم یا جماعتی اصلاح کا سوال بھی اس میں شامل ہے۔ اس کا بھی یہی فیصلہ ہوتا ہے۔ اصلاح کرنے والے کہاں ہیں۔ پہلے انہیں بناؤ۔ وہ قوم کہاں ہے۔ جو ان اصلاحوں

کو قبول کرے۔ کم تعداد کا ظلم سب سے بدتر ظلم ہوتا ہے۔ اس سے
بڑھکر ظلم دنیا میں اور نہیں دیکھا جاتا۔ چند آدمی جو ایک بات کو بُرا
خیال کرتے ہیں۔ ایک قوم کو نہیں چلا سکتے۔ پہلے قوم کو تعلیم دو۔ اپنی
قانون واضع کرنے والی جماعت پیدا کرو۔ اور پھر قانون طیار کیا جائیگا۔
پہلے طاقت پیدا کرو۔ وہ طاقت جس کی منظوری سے قانون پیدا ہو
اور جو ان قوانین کو منظور کرے۔ بادشاہی زمانہ لدگیا۔ وہ بادشاہ نہیں
رہا ہے۔ اس نئے قانون کو منظور کرنے والا اور اس پر عملدرآمد کرانے والا
کون ہے۔ رعیت کی نئی طاقت پہلے سے ابھارو۔ اس لئے سوشل
رفارم کے لئے بھی سب سے پہلا فرض یہی ہے۔ کہ عوام کو تعلیم دی
جائے۔ بعد ازاں آپ کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑیگا۔ جب تک
اصلاح کا وقت آوے۔ بہت سی اصلاحیں جن پر گذشتہ صدی میں
زور دیا گیا تھا۔ صرف نمائشی تھیں۔ ان رفارموں میں سے ہر ایک کا
تعلق صرف پہلی دو جماعتوں یعنی برہمن اور کشتری سے ہے۔ باقی جماعتوں
سے کچھ نہیں۔ ودھوا بواہ کا سوال ہندوستانی عورتوں میں سے ستر
فی صدی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ اس قسم کے اور سوالات بھی ہندوستانیوں
کی اونچی ذاتوں سے جن میں تعلیم یافتہ آدمی بہت ہیں تعلق رکھتے ہیں۔
لیکن اگر آپ غور کرینگے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عوام کے اس میں کچھ
بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ یہ سب کچھ انہیں نظر انداز کر کے ہورہا
ہے۔ ان رفارموں کی ہر ایک کوشش اپنا گھر صاف کرنے کی ہورہی
ہے۔ وہ صرف یہہ چاہتے ہیں۔ کہ ہم ودیشیوں کی نظروں میں زیادہ
خوبصورت دکھائی دیں۔ یہ اصلاح نہیں کہلا سکتی۔ تمہیں معاملہ کی

جڑ اور بنیاد تک پہنچنا چاہئیے۔ میں اسے اصلی سچی اور بڑھی ہوئی رفارم کہتا ہوں۔ یہاں آگ روشن کرو۔ اور اس کو جلتے جلتے اوپر کی طرف جانے دو۔ اس طرح ہندی قوم طیار کرو۔ یہ کام کوئی آسان کھیل نہیں یہ بہت بڑا اور وسیع کام ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں ہی اسے کرنا ہے۔ لیکن جلدی نہ کرو۔ میرے الفاظ پر غور کرو۔ کہ ہمیں اس سوال کا کئی سو سال سے علم ہے ۔

آج کل بودھ دھرم اور اس کی مادہ پرستی کی نسبت بات چیت کرنا فیشن میں داخل ہے۔ خاص کر جنوب میں تو اس کا بہت ہی زور ہے۔ انہیں اس بات کا خواب تک میں بھی خیال نہیں آتا۔ کہ ہماری یہ دُرگتی جو ہو رہی ہے۔ بدھ دھرم کا ہی پس انداز ہے۔ اس نے ہمارے لئے ورثہ میں اسے چھوڑا ہے۔ تم ایسے آدمیوں کی کتابوں میں جنہوں نے کبھی بودھ دھرم کے عروج اور زوال پر غور نہیں کیا یہ پڑھا ہے کہ بودھ دھرم کے ایسا مقبول عام ہونے کی وجہ اس کی عجیب اخلاقی تعلیم اور گوتم بدھ کی عجیب و غریب ہستی تھی میرے دل میں بھگوان بدھ کی بہت تعظیم اور عزت ہے۔ لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ اور آپ ہی میری بات پر دھیان دیں۔ کہ بودھ دھرم کی اس قدر اشاعت اس کے مسئلہ مسائل کی وجہ سے یا قابل تعظیم بانی کی وجہ سے نہ ہوئی تھی۔ بلکہ زیادہ تر ان مندروں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جو کہ اس کی بدولت بنائے گئے تھے۔ ان مورتوں کی وجہ سے تھی جو کہ ان مندروں میں دھری گئی تھیں۔ اور ان رسومات کی وجہ سے تھی جو کہ قوم کے سامنے پیش کی گئی تھیں۔ ان وجوہات سے بودھ دھرم کی اشاعت ہوئی

تھوڑی سی آگ جو گھروں میں رکھی جاتی تھی۔ اور جس میں ہون کی سامگری ڈالی جاتی تھی۔ ایسی مضبوط نہیں تھی۔ جو کہ ان شاندار مندروں اور ان میں دھوم دھام سے ہونے والی رسومات کا مقابلہ کر سکتی۔ اس طرح آخر میں سب کچھ بگڑ گیا۔ یہ رسم رسوم ایسی ناپاکی اور غلاظت کا ڈھیر ہو گئیں۔ کہ میں اس جماعت کے سامنے اس کا بیان نہیں کر سکتا لیکن وہ جو کہ اس کی بابت جاننا چاہتے ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے ان بڑے بڑے مندروں میں جا کر دیکھ سکتے ہیں۔ جو کہ پتھروں کی مورتوں سے بھرے ہیں یہ ورتھ ہیں بودھوں سے ملا ہے۔

نسان بعد وہ بڑا رفامر سوامی شنکر آچاریہ اور اسکے چیلے آئے۔ اور یہ سینکڑوں برس شنکر سوامی کے ظہور سے لیکر آج تک۔ ہندوستان کی عام رعایا کو ویدانت دہرم کی اعلےٰ پاکیزگی کی طرف لانے کی آہستہ آہستہ مگر لگاتار کوشش میں خرچ ہوئے۔ یہ رفامران خرابیوں کو جو موجود ہیں۔ اچھی طرح جانتے تھے۔ لیکن انہوں نے ان کا کھنڈن نہیں کیا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا۔ کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے۔ واہیات ہے اسے پھینک دینا چاہئے۔ یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔

آج میں یہ پڑھتا ہوں۔ کہ میرے دوست ڈاکٹر بیروز کہتے ہیں۔ کہ عیسائی دھرم نے تین سو سال میں اہل روم اور اہل یونان کے مذہبی اثر سے چھٹکارا پایا ہے۔ لیکن یہ کسی ایسے انسان کے الفاظ معلوم نہیں ہوتے جس نے یورپ یونان اور روم کی سیر کی ہو۔ اہل روم اور اہل یونان کے پرانے مذاہب کا اثر اب تک وہاں موجود ہیں۔ پروٹسٹنٹ ممالک میں بھی یہی حال ہے۔ صرف ناموں کی تبدیلی ہو گئی ہے۔ پرانے دیوتا نئے فیشن میں آ گئے ہیں۔ انہوں نے

اپنے نام بدل لئے ہیں۔ دیویاں میریاں ہو گئی ہیں۔ دیوتا سینٹ یعنی پادری ہو گئے ہیں۔ اور رسومات میں کسی قدر تبدیلی ہو کر نیا پن آگیا ہے۔ یہاں تک کہ پوٹنیفکس میکزمس کا پرانا خطاب تک موجود ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ تبدیلی کبھی بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ یہ بات آسان نہیں۔ شنکر آچاریہ مہاراج اس بات کو جانتے تھے۔ رامانج بھی اس سے واقف تھے کہ ایسی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان کیواسطے یہی راستہ کھلا تھا کہ عوام کو آہستہ آہستہ اپنے مذاہب کے اعلےٰ معراج تک لاویں۔ اگر وہ دوسرا طریقہ اختیار کرتے۔ تو وہ مکار ہوتے۔ کیونکہ ان کے مذہب کا سب سے بڑا مسئلہ ایولیوشن یعنی رفتہ رفتہ ترقی کرنا۔ روح کا مختلف منزلوں اور حالتوں میں سے گذر کر آخر ش اعلےٰ اسے اعلےٰ مقام تک پہنچنا ہے اس لئے یہ تمام منزلیں اور صورتیں ضروری ہیں۔ اور ان سے اصلی منزل مقصود تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کو برا بتلانے کی کون جرات کر سکتا ہے یہ کہنا ایک عام بات ہو گئی ہے۔ کہ مورتی پوجا غلط ہے۔ اور ہر شخص اسکی صداقت کی نسبت اعتراض کئے بنا ہی اسے لقمہ تر سمجھ کر نگل جاتا ہے۔ بیشک میرا بھی پہلے ایسا ہی خیال تھا۔ اور اس خیال کی سزا میں مجھے ایک ایسے مہاپرش کے چرنوں میں بیٹھ کر اپنا سبق سیکھنا پڑا۔ جسے جو کچھ ملا تھا۔ مورتی سے ہی ملا تھا۔ وہ شخص کون تھا۔ شائد کہنے کی ضرورت نہیں۔ میرا مطلب شری رام کرشن پرمہنس جی سے ہے۔ ہندو اگر تم مورتی پوجا سے رام کرشن پرمہنس جی جیسے انسان پیدا ہو سکتے ہیں۔ تو اور تمہیں کیا چاہئے رفارموں کا کلمۂ ایمان۔ یا مورتیوں کی بیشمار تعداد۔ میں آپ سے جواب چاہتا ہوں اگر تم سے ہو سکے۔ تو ہزاروں مورتیاں اور لے لو۔ اور مورتی پوجا کے ذریعے

رام کرشن پرمہنس جیسے انسان پیدا کرو۔ پرماتما تمہارا بھلا کریں۔ جیسے بھی ہو سکے ویسے انسان پیدا کرو۔ مورتی پوجا کا کھنڈن کیا جاتا ہے۔ کیوں۔ یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ اگر کوئی بتاتا بھی ہے تو یہ کہ کچھ سو برس گذرے یہودی نسل کے کچھ آدمیوں نے اس کا کھنڈن کیا تھا۔ اسی لئے ہم بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے سوائے اپنے بُت کے اور سب آدمیوں کے بتوں کی حمد دید کی ہے۔ اگر خدا کسی خوبصورت شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسے تو بہت بُرا بیہودہ کہتے ہیں۔ اور کفر خیال کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ایک صندوق کی شکل میں ہو۔ اور دونوں طرف ایک ایک پر دار فرشتہ بیٹھا ہو۔ اور ایک بادل سا اوپر جھک رہا ہو۔ تو وہ پاکوں کا پاک ہے۔ اگر خدا فاختہ کی شکل اختیار کر کے آتا ہے۔ تو وہ مبارک ہے۔ لیکن اگر گئو کی شکل اختیار کرتا ہے۔ تو بت پرست ہیدنوں کا وہم ہے۔ اس کی تردید اور تکذیب ہونی چاہیئے۔ دنیا ایسا اندھیر مچ رہا ہے۔ اسی واسطے کسی شاعر نے کہا ہے سو

ہو ہنر غیروں میں گو ہم عیب سمجھیں ہیں اُسے
عیب کو اپنے ہیں ہم بڑھکر ہنر سے جانتے

واہ واہ ہم حضرت انسان بھی دیو ہو گئے ہیں کیا۔

میری یا مریم حضرت یسوع مسیح کی والدہ کا نام تھا۔ رومن کیتھولک عیسائی رسم میری کے ساتھ مختلف صفاتی الفاظ ملا کر اسکے گرجا بناتے ہیں۔ اور انہیں مختلف ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔

مختلف خدا پرست اور راسخ الاعتقاد پادریوں کو مرنے کے بعد یا ان کے جیتے جی ہی سینٹ یعنی سادھو کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اور ان کا نام تعظیم سے لیا جاتا ہے ان کے نام پر گرجے وغیرہ بناتے ہیں۔

رومن کیتھولک فرقے کے مذہبی پیشوا پوپ کو پونٹف بھی کہتے ہیں۔

اسی وجہ سے دوسروں کی آنکھوں سے دیکھنا محال ہے۔ اور یہی بنی نوع انسان کو لعنت ہے۔ یہی نفرت۔ حسد۔ لڑائی اور جھگڑے کی جڑ ہے لڑکے جن کی ابھی مسین تک نہیں بھیگیں۔ جو کبھی مدراس سے باہر تک نہیں گئے۔ پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر تیس کروڑ آدمیوں کیلئے جن کی پشت سہارے کیلئے ہزار ہا روایات چلی آتی ہیں۔ قواعد اور قانون طیار کرنا چاہتے ہیں۔ بچہ کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ ہٹو پیچھے ہٹو۔ ایسے کفر کا کلمہ منہ سے مت نکالو۔ اپنا پہلا سبق ابھی یاد کرو۔ گستاخ لڑکو۔ کیا صرف اس وجہ سے کہ تم کاغذ پر کچھ اوٹ پٹانگ لکھ لیتے ہو۔ اور کوئی بیوقوف تمہیں ایسا مل جاتا ہے۔ جو اسے چھاپ دیتا ہے۔ تم یہ خیال کرنے لگے ہو۔ کہ ہندوستان کی عام رائے تم ہی ہو کیا یہ بات سچ ہے۔ اسی لئے مجھے مدراس کے سوشل رفارمروں سے یہ کہنا ضروری ہوا ہے۔ کہ میرے دل میں ان کی بہت ہی عزت اور محبت ہے میں ان سے ان کی دریا دلی۔ فراخ طبعی اور حب الوطنی کی وجہ سے اور اس ہمدردی کے باعث جو کہ انہیں غریبوں اور مظلوموں سے ہے۔ از حد الفت کرتا ہوں۔ لیکن میں انہیں برادرانہ محبت کے ساتھ یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ ان کا طریقہ ٹھیک نہیں۔ گذشتہ سو برس سے اس ڈھنگ پر کام ہو رہا ہے۔ مگر کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ آؤ ہم کوئی اور طریقہ استعمال کریں۔

لیکن کیا ہندوستان کو کبھی رفارمروں کی ضرورت ہوئی ہے۔ کیا تم نے بھارت کا اتہاس دیکھا۔ رامانج جی کون تھے۔ شنکر آچاریہ جی کون تھے۔ نانک دیو جی

کون تھے۔ چتن دیو۔ کبیر جی اور دادو جی کون تھے۔ یہ تو بڑے اپدیشک
کیا۔ ہے جو ایک دوسرے کے بعد بڑے بڑے ستاروں کی مانند
روشن ہوئے۔ کیا راجا جی کے دل میں پنچ ذاتوں کا بھرم نہیں تھا
کیا انہوں نے عمر بھر پنچ جاتیوں کو اپنی سورنا پٹی میں ملانے کی کوشش
نہیں کی۔ کیا انہوں نے مسلمانوں تک کو بھی اپنی چھاتی سے نہیں لگایا
کیا گرونانک دیو جی نے ہندو و مسلمانوں سے ایک سا سلوک کرکے نئے رشتہ
اتحاد قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ان سب نے ہی اس بارے میں
جانفشانی کی ہے۔ اور ان کا کام اب بھی جاری ہے۔ فرق صرف یہ
ہے کہ ان میں آجکل کے ناصحوں کی سی پھوٹ پیدا نہیں تھی۔ ان کی زبان
پر ان نئے ناصحوں کی طرح گالیاں نہیں رہتی تھیں۔ ان کے ہونٹ
صرف برکتیں اور دعائیں دینا جانتے تھے۔ بد کلامی نہیں کر سکتے تھے
انہوں نے لوگوں سے کہا کہ قوم کو ہمیشہ بڑھنا چاہئے۔ انہوں نے
پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اور للکار کر کہا "ہندو جو کچھ تم نے کیا۔ اچھا کیا۔ مگر دیکھو
آؤ اب کے اس سے بھی اچھا کریں"۔ انہوں نے یہ نہیں کہا "کہ تم بدمعاش
ہو آؤ اب اچھے ہو جاؤ"۔ بلکہ انہوں نے ہمیشہ یہ کہا "تم اچھے ہو لیکن آؤ
اب اور بھی بہتر بنو"۔ اس میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے ہمیں
اپنی قدرتی نشو و نما کے مطابق بڑھنا چاہئے۔ دیوتاؤں نے ہمیں کام
کرنے کا جو ڈھنگ بتایا ہے۔ اسکے مطابق کرنے کی کوشش کرنا فضول ہے
یہ نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا توڑ مروڑ کر دوسری
قوموں کی مانند بنایا جانا امر محال ہے۔ میں اور قوموں کے دستور اور رسومات
کو برا نہیں کہتا۔ وہ ان کے لئے اچھے ہونگے۔ مگر ہمارے لئے اچھے نہیں

ان کے لئے جو گوشت ہے ہمارے لئے وہ زہر سے کم نہیں۔ یہ پہلا سبق ہے جو کہ ہمیں سیکھنا چاہیئے۔ انکے سائنس۔ رواج اور روایات سب اور ہیں ہماری روایات اور ہزاروں برس کے کرم اور ہیں۔ اسلیئے قانون قدرت کے بموجب ہم اپنے رجحان کی پیروی کر سکتے ہیں۔ اپنے ہی راستہ پہ دوڑ سکتے ہیں اور ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیئے۔

اوم شم

ذات پات کی اصلاح

(یہ لیکچر سوامی جی نے مدراس میں ہندوستان کے مستقبل کے متعلق دیا تھا)

ہندوستان میں ذات پات کی اصلاح کے سوال کی یہ صورت ہے کہ اعلے ذاتوں کو نیچے نہ گرایا جاوے۔ برہمنوں کا سر نہ کچلا جاوے۔ برہمن پن انسانیت کا دماغ۔ ہندوستانیوں کے لئے معراج یا آدرش قائم کیا گیا تھا اور سوامی شنکر آچاریہ جی نے اپنی گیتا کی تشریح کے ابتدا میں اسے نہایت واضح اور حیرت انگیز طور پر پیش کیا ہے۔ اس میں انہوں نے صاف طور پر ظاہر کر دیا ہے۔ کہ سری کرشن چندر مہاراج صرف برہمنوں کا برہمن پن قائم کرنے کے لئے اپدیشک بن کر اس دنیا میں آئے تھے۔ اُن کے اوتار دھارن کرنے کا یہی سب سے بڑا مقصد تھا۔ یہ برہمن۔ پرماتما کا پیارا منشیہ۔ جسنے برہم کو جان لیا ہے۔ آدمیوں کا معراج۔ مکمل انسانیت کا نمونہ ہمیشہ قائم رہنا چاہیئے۔ کم اسے نیست و نابود نہ کرنا چاہیئے۔ خواہ ذاتوں کے سلسلہ میں کیسی ہی خرابیاں کیوں نہ ہوں۔ لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ برہمنوں کو یہ افتخار دینا چاہیئے۔ کہ اور ذاتوں کی نسبت ان میں سب سے زیادہ فخر انسان ایسے ہوئے ہیں جن میں کہ اصلی برہمن پنا موجود تھا یہ بات بالکل سچ ہے۔ اس میں رتی بھر جھوٹ نہیں

اور سب باقی ذاتوں کی نسبت ان میں یہ بزرگی ہے ہمیں اتنا بہادر اور دلیر بھی ضرور ہونا چاہئے کہ ہم انکے عیوب کا ان سے بیان کر سکیں۔ لیکن ساتھ ہی سکے ہمیں ایسا تنگدل بھی نہ بننا چاہئے کہ ہم ان کے سب گنوں کو نظر انداز کر دیں اور ان کی بھلائیوں کا ذکر تک بھی نہ کریں ہمیں انہیں ان کا حق ضرور دینا چاہئے۔

انگریزی ضرب المثل ہے کہ "ہر شخص کو اسکا حق دو"۔ تم بھی اسے اچھی طرح یاد رکھو اسلئے میرے دوستو۔ ذاتوں کے سوال پر لڑائی جھگڑے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس سے تو ہم میں زیادہ تفرقہ پھیلے گا۔ اس سے تو ہم اور بھی زیادہ کمزور ہو جائینگے اسکی بدولت تو ہم میں اور بھی زیادہ خرابیاں پیدا ہو جائینگی۔ خاص حقوق اور خاص رعائتیوں کے دن لدگئے۔ ہندوستان کی سرزمین سے وہ رنا ہمیشہ کیلئے اٹھ گیا۔ اور پھر کبھی نہیں آئیگا۔ انگریزی راج کی ہندوستان پر یہ سب سے بڑی برکت ہے۔ اس برکت کیلئے یعنی خاص حقوق اور خاص رعائت کی برطرفی کیلئے۔ ہم مسلمانی حکومت کے بھی شکر گذار ہیں مسلمانی عہد حکومت بالکل ہی خراب نہ تھا۔ اس میں بھلائی بھی تھی۔ کوئی چیز بھی بالکل ہی خراب نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کوئی چیز ایسی ہی ہے۔ جو کہ بالکل ہی اچھی ہو اسلامی فتح پیروں سے کچلے ہوئے ہیچ ہندوؤں۔ اور غریبوں کی نجات اور بہتری کیلئے آئی تھی۔ اسی وجہ سے ہندوؤں کا ۱/۴ حصہ ہندو سے مسلمان ہو گیا۔ صرف تلوار کا ہی یہ کام نہ تھا۔ یہ خیال کرنا کہ تلوار اور آگ کی مدد سے ایسا ہوا ہے۔ اسلئے درجہ کا پاگل پن اور دیوانگی ہے۔ اور صرف اسی کا کیا رونا ہے۔ اگر آپ خبر نہ لینگے اور انکی مدد نہ کرینگے۔ تو آپکے مدراسی ہندو بھائیوں میں سے آدھے جلد ہی عیسائی ہو جائینگے۔ کیا دنیا میں کبھی پہلے بھی ایسی بیوقوفی اور حماقت ہوئی ہوگی جیسی کہ میں نے مالابار کے ضلع میں دیکھی ہے۔ غریب پاریہ کو اعلیٰ ذات کے آدمیوں کی مانند گلی اور بازاروں میں بھی چلنے کی اجازت نہیں لیکن اگر وہ ہندو نام چھوڑ کر انگریزی نام اختیار کر لیتا ہے۔ تو اسے فوراً مزے سے بازاروں میں گھومنے

کا حق پہنچتا ہے۔ مسلمانی نام سے بھی اس حق کے ملنے میں کچھ مشکل نہیں ہوتی۔
ان باتوں سے اسکے سوا اور کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ علاقہ مالابار کے اونچی ذاتوں کے ہندو دیوانے اور خبطی ہیں۔ انکے مکانات پاگل خانے ہیں۔ اور جبتک وہ اپنے آپکو ٹھیک نہ کرلیں اور انہیں کچھ عقل آجائے۔ ہندوستان کی اور سب قوموں کو ان سے نفرت اور حقارت کرنی چاہیے۔ ان کیلئے نہایت ہی شرم کا مقام ہے۔ کہ ایسی شرارت آمیز اور واہیات رسم ان میں جاری ہے۔ وہ اپنے ہی بچوں اپنے ہی کلیجہ کے ٹکڑوں کو فاقہ کشی سے ایڑی رگڑ رگڑ کر بھوکے مرجانے دیتے ہیں۔ لیکن جونہیں کہ وہ بچے اوروں کی ملکیت ہوجاتے ہیں تب وہ انہیں اچھی طرح کھلاتے پلاتے اور موٹا تازہ بناتے ہیں۔

لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی۔ ذاتوں میں خار جنگی نہیں سمجھنی چاہیئے اسکا حل یہ نہیں کہ اونچی ذات کو نیچا دکھا دو۔ بلکہ ضرورت یہ ہے۔ کہ نیچوں کو سہارا دیا جائے نیچوں کو ابھار کر اوپر لایا جائے۔ نیچوں کو اٹھا کر اونچوں کے برابر بنایا جائے۔ یہ کام پہلے ہی ہمیشہ اسی طریق پر ہوا ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے جو کہ اسکے خلاف تم ان لوگوں سے سنتے ہو جو کہ اپنی کتابوں سے اچھی طرح واقف نہیں۔ اور جن میں اتنی لیاقت اور قابلیت نہیں۔ کہ وہ اپنے واجب التعظیم بزرگوں کی طریق کارروائی کو سوچ سمجھ سکیں ہماری کتابوں میں بھی اس کام کا یہی ڈھنگ لکھا ہے۔ جو کہ میں نے آپ سے بیان کیا ہے یہ لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے۔ اور نہ سمجھیں گے۔ لیکن جنکے دل اور دماغ ہے۔ جن میں اس کام کے سب پہلوؤں پر غور کرنے اور انکے سمجھنے بوجھنے کی لیاقت ہے اچھی طرح سمجھتے ہیں ذرا سب جگہ دوش سے الگ ہو کر قومی زندگی کے تمام مرحلوں پہ جو کہ ہزارہا سال پہلے سے وقتاً فوقتاً پیش آتے ہیں۔ اور ہماری نئی پرانی کتابوں میں کہیں کہیں منتشر طور پر درج ہیں۔ نظر تو ڈالو۔ آپ کو کیا نظر آتا ہے۔ آپ کو کام کرنے کا کیا ڈھنگ ملتا ہے۔ ایک طرف براہمن کا معراج آپکے پیش نظر ہوگا۔ دوسری طرف آپ چانڈال کو بڑھا دیں گے۔

اور سب کام چانڈال کو برہمن کے درجہ پر پہنچانے کیلئے آپکو دکھائی دیگا۔ آپ دیکھینگے کہ آہستہ آہستہ اسکے حقوق میں زیادتی کی جا رہی ہے۔ ایسی کتابیں بھی آپکو ملینگی جنمیں آپ ایسے ایسے احکام درج پاوینگے کہ اگر شودر سن لے۔ تو اسکے کانوں میں سیسہ پگھلا کر بھر دو۔ اگر وہ ایک سطر یاد کر لے اسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اگر وہ برہمن کو برہمن کہکر خطاب کرے تو اسکی زبان کھینچ ڈالو۔ اسمیں شک نہیں کہ پرانے زمانے کا نہایت مہیب اور شیطانی ظلم اور وحشی پن ہے۔ لیکن اسمیں قانون بنانے والوں کو ملزم نہ گردانو۔ انہیں قصوروار مت ٹھیراؤ۔ وہ تو صرف بعض فرقوں کا سوسائٹی کی بعض جماعتوں کے دستور کو تحریر کرتے ہیں۔ پچھلے زمانے میں بھی ایسے شیطان اور بدمعاش ہو گذرے ہیں۔ کم و بیش ہر ملک میں اور ہر زمانے میں بدمعاش اور بدکردار انسان ہوتے رہے ہیں اسکے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ اِن احکام میں کسی قدر نرمی آگئی ہے۔ لکھا ہے کہ انہیں اعلےٰ باتیں نہ سکھاؤ۔ وہ جیسے ہیں۔ انہیں ویسا ہی رہنے دو۔ پھر آہستہ آہستہ ہم دوسری سمرتیوں میں خاصکر اُن میں جن پر عملدرآمد ہوتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ اگر شودر برہمنوں کے رسم و رواج اختیار کرے تو بہت ہی اچھا ہے۔ انہیں ضرور ایسا کرنا چاہئے اسیطرح بڑھتا چلا گیا ہے۔ مجھے اتنی فرصت نہیں کہ میں مختلف کتابوں کے حوالے آپکے سامنے پیش کر سکوں۔ اور آپکو بتلا سکوں کہ اسکی پوری چھان بین کسطرح ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بات سچ ہے کہ ہمیں پرانے گرنتھوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ذاتوں کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھنا چاہئے۔ ہزاروں ایسی قومیں ہیں جنہوں نے ترقی کی ہے اور بعض تو اب بھی برہمنوں میں داخل ہوتی جا رہی ہیں۔ کیونکہ ایسی رکاوٹ کونسی ہے جو کسی قوم کو اپنے آپکو برہمن بنانے سے روک سکتی ہے۔ اسطرح ذات پات اپنی تمام سختی کے باوجود بھی اسیطرح بنی ہے۔ مثلاً یہاں ایسی ذاتیں ہیں جنمیں سے ہر ایک میں دس دس ہزار آدمی ہیں۔ اگر وہ سب اتفاق کرکے یہ کہنے لگیں کہ ہم اپنے آپ کو برہمن کہینگے۔ تو انہیں ایسا

کرنے سے کیا چیز باز رکھ سکتی ہے۔ ان سے ایسا کون کہہ سکتا ہے کہ تم یہ کرد
میں نے اپنی زندگی میں ایسا دیکھا ہے بعض ذاتیں زور پکڑ جاتی ہیں۔ اور جب وہ سب
متفق ہو کر کوئی بات کہنے لگ جاتی ہیں۔ تو کوئی شخص انکی زبان نہیں پکڑ سکتا
کیونکہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ایک ذات ایک دوسرے سے الگ ہے
ایک دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دیتی۔ ایک ہی ذات کے مختلف فرقے بھی
ایک دوسرے سے بہت دخل در معقولات نہیں کرتے۔

شنکر آچاریہ جیسے تبدیلی پیدا کرنے والے۔ تو بہت بڑے ذات بنانے والے
ہوئے ہیں۔ میں آپ سے وہ تمام حیرت انگیز کام جو انہوں نے کئے ہیں۔ بیان نہیں کر سکتا
جو میں کہوں بھی تو شاید تم میں سے بعض تو مجھ سے ناراض ہو جائیں۔ لیکن اپنے
سیر و سفر میں میں انکی کھوج میں رہا ہوں اور بہت کچھ حیرت انگیز باتیں مجھے معلوم
ہوتی ہیں۔ کبھی بلوچیوں کے جھنڈ کے جھنڈ کو ایک ایک منٹ میں کشتری بنا دیا۔
کہیں ماہی گیروں کے غول کے غول کو ایک منٹ میں برہمن کر دیا۔ وہ سب رشی اور
مہاتما تھے۔ ہمیں انکی یادگار کے آگے گردن جھکانی چاہئے۔ پرماتما کرے ہم تم بھی
سب ہی رشی اور مہاتما ہو جائیں۔ ہم سب ہی کم و بیش رشی ہیں۔ رشی کا مطلب ہے
شدھ اور پوتر۔ پہلے شدھ اور پوتر بن جاؤ۔ اور تم میں وہ طاقت آجائیگی۔ صرف یہ
کہنے سے کہ میں ہوں کام نہیں چلیگا۔ لیکن جب تم رشی بن جاؤگے۔ تو تمہیں معلوم
ہوگا۔ کہ لوگ کسی نہ کسی طرح تمہارے احکام کی پابندی ضرور کرینگے۔ تم سے کچھ ایسی
خفیہ طاقتوں کا اظہار ہونے لگیگا۔ کہ انہیں تمہاری پیروی کرنا ہی پڑیگی۔ اور تمہارے
حکم کو ماننا ہی پڑیگا۔ خواہ وہ انکی طبیعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ صرف اپنے طریقے کے موافق کام
کرتے چلے جاؤ۔ لوگوں کی کچھ پرواہ نہ کرو یہی رشی پن ہے جسے تمہیں اشارتاً بتا دیا ہے۔
توضیح اور تشریح کیلئے برسوں محنت کرنی پڑیگی۔ یہ صرف خیال بتایا گیا ہے۔ اسلئے تاکہ تمکو

ظاہر ہو جائے کہ فرقوں فرقوں اور ذاتوں ذاتوں میں یہ لڑائی جھگڑے نہیں ہونے چاہئیں۔ ان کا بند ہونا ہی ضروری ہے۔ یہ طرفین کے لئے غیر ضروری ہیں۔ اسلئے ذاتوں اور خاصکر برہمنوں کے لئے تو نہایت ہی ضروری ہیں۔ کیونکہ خاص حقوق اور خاص رعایا کے دن۔ جو کہ پہلے تھے اب نہیں رہے ہے۔ اب انہیں صبر کرنا ہی اچھا ہے۔ ہر طرح کی خاندانی اکڑ ملنوں کے لئے اب مناسب ہے کہ اپنی قبر آپ ہی کھود لیوے جتنی جلدی وہ اس کام سے فارغ ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ جتنا وہ اس فرض کی ادائگی میں دیر لگائیگی۔ اتنا ہی زیادہ اسے دکھ سہنا پڑیگا۔ اور اتنے ہی زیادہ عذاب نیچے اسکے پر ان نکلینگے۔ اسلئے برہمنوں کا بھی یہ فرض ہے کہ بھارت کے باقی مرد عورتوں کی بہتری اور بھلائی کیلئے کام کریں۔ اگر وہ یہ کرتے ہیں۔ اور جب تک وہ یہ کرتے رہینگے وہ برہمن ہیں۔ لیکن جب وہ روپیہ کمانے کی دھن میں لگ جائینگے تب ہی وہ برہمن کے اونچے درجے سے گر جائینگے۔ اور برہمن نہیں رہینگے۔

تمہیں صرف مستحق برہمنوں کو مدد دینی چاہئیے۔ اس کو ہی مدد دو۔ جو کہ تمہاری مدد کا حقدار ہے۔ ایسی مدد اور خیرات سورگ کو لیجاتی ہے۔ لیکن بعض دفعہ دان بھی۔ ایسے آدمیوں کو دیا ہوا دان جو کہ ادھکاری اور مستحق نہیں دوسری جگہ یعنی نرک میں لیجانے والے ہوتے ہیں۔ ہمارے شاستر یہ کہتے ہیں۔ آپکو اس امر کی احتیاط رکھنی چاہئیے۔ "برہمن وہ ہے جسکی روزی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ روزی کا ذریعہ برہمن کیواسطے نہیں۔ بلکہ اور ذاتوں کے واسطے ہے"

برہمنوں کی سیوا میں میری یہ نودین ہے۔ کہ انہیں بھارت باسیوں کو بھلائی میں جان و دل سے نہائت سخت محنت کرنی چاہئیے جو کچھ انہیں آتا ہو انہیں مناسب ہے کہ کھلے دل سے سب ہندوستانیوں کو بتا دیں۔ سکھلا دیں اور سمجھا دیں۔ صدیوں سے جو ودیا اور گیان کا بھنڈار انہوں نے اپنے ہردیوں میں جمع کر رکھا ہے۔ اب وقت ہے کہ اس کا منہ کھول

دیں۔ اور اسے بھارت میں سارے بھارت میں ڈل کھول کر پھیلا دیں۔ بھارت کے برہمنوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر وقت یہ یاد رکھیں۔ کہ وہ برہمن اصلی برہمن موروثی برہمن اور خاندانی برہمن ہیں۔ جیسا کہ منو بھگوان فرماتے ہیں۔ کہ یہ سب حقوق اور عزت برہمنوں کو دئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس نیکی اور بھلائی کا خزانہ ہے انہیں اس خزانہ کو کھوتنا چاہیئے۔ اور خلق خدا میں بانٹ دینا چاہیئے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ (برہمن ہی) سب سے پرانے اپدیشک تھے۔ جیسا کہ انہیں ہندوستان کے آدمی ہمیشہ سے مانتے چلے آئے ہیں۔ انہوں نے اور سب قوموں کی پیدائش سے بھی پہلے زندگی کے اعلےٰ اصولوں کے جانتے اور ان کی اشاعت کے لئے سب کچھ تیاگ دیا تھا یہ انکا قصور نہیں تھا کہ وہ اور ذاتوں سے آگے بڑھ گئے۔ اور قومیں بھی ان کی مانند سوچ سمجھ سے کام کیوں نہیں لیتیں اور ویسا ہی کیوں نہیں کرتیں اور قومیں کیوں پیچھے پہل بیٹھی بیٹھی اونگھتی رہیں سستی و کاہلی میں اپنا وقت کھوتی رہیں۔ اور پچھے ہے اور خر گوش کی دوڑ کا سا حال کر دیا۔ لیکن ایک مفاد کو حاصل کر لینا ایک بات ہے اور اسے خراب استعمال ہے بجا دوسری بات ہے۔ جب بدی کیلئے طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہ شیطنت ہے اسے نیکی کیلئے استعمال کرنا چاہیئے۔ اسلئے یہ ہزارہا برس کا جمع کیا ہوا گیان۔ جسکے برہمن بھنڈاری تھے برہمنوں کو عوام میں تقسیم کر دینا چاہیئے اور چونکہ برہمنوں نے اس گیان بھنڈار کو اب تک عام طور پر تقسیم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے مسلمانوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ چونکہ برہمنوں نے ہزاروں سال سے اس خزانہ کو اپنی ذاتی ملکیت تصور کر کے عوام کو اسمیں حصہ نہیں دیا۔ اسی لئے ہم لوگ غیر دالیس سے جس کسی نے بھی ہندوستان میں آنیکی ہمت کی۔ اس ہی کے پاؤں کے نیچے کچلے گئے نیں اسیوجہ سے ہم اس تنزلی کو پراپت ہوئے ہیں اسلئے پہلا سوال یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ان کوٹھریوں کا جن میں ہمارے بزرگوں کا جمع کیا ہوا عجیب و غریب خزانہ پوشیدہ ہے

قفل توڑا جائے۔ اس خزانہ کو باہر لایا جائے اور سب ہندوستانیوں میں تقسیم کیا جائے۔ یہ برہمنوں کا کام ہے اور انہیں ہی سب سے پہلے اس کام کو سرانجام دینا چاہئیے۔

بنگال میں ایک پرانا وہم ہے۔ کہ اگر سانپ کاٹ لے۔ اور وہی سانپ آ کر پھر اپنا زہر چوس لے۔ تو کاٹا ہوا آدمی ضرور بچ جاتا ہے۔ اسلئے برہمنوں کو بھی اپنا زہر آپ ہی چوس لینا چاہئیے۔ ان ذاتوں سے جو کہ برہمن نہیں۔ میری یہی نصیحت ہے کہ جلدی نہ کرو۔ سمجھ کے سوچتے ہوئے۔ جلدی کا کام شیطان کا ہے منتظر رہو آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جائیگا۔ برہمنوں سے لڑائی جھگڑہ کرنے کے لئے بہانے اور موقعہ مت ڈھونڈو۔ تمہیں روحانی ترقی کرنے سے کس نے منع کیا ہے تم پر یہ زور کس نے دیا ہے کہ تم سنسکرت نہ پڑھو۔ تم اب تک کیا کرتے رہے اب تک سستی اور آلس میں کیوں پڑے رہے۔ اور اب اس بات پر ناک بھوں چڑھانے اور منہ میں جھاگ لانے سے کیا ہوتا ہے۔ کہ اوروں میں تمہاری نسبت زیادہ دماغ۔ زیادہ طاقت۔ زیادہ چستی۔ زیادہ چالاکی کیوں ہے ان فضول بحث مباحثوں میں پڑنے۔ اور اخبارات کے کالموں میں بیفائدہ لفظی لڑائی لڑنے۔ گھر میں خانہ جنگی کرتے یہ شیطانی کام ہے۔ یہ از گناہ ہے۔ حقارت آمیز ہے۔ وغیرہ وغیرہ الفاظ استعمال کرنے کی بجائے۔ اپنی تمام طاقتوں کو ان قابلیتوں اور لیاقتوں کو حاصل کرنے میں صرف کرو۔ جو کہ برہمنوں کو حاصل ہیں۔ اور سب کام خود بخود ہو جائیگا۔ ہندوستان کی کامیابی کا یہی راز ہے۔ ہندوستان میں سنسکرت اور عزت ساتھ ساتھ حاصل ہوتی ہیں۔ جونہی کہ تمہیں یہ نصیب ہو گیا۔ کسی کو یہ طاقت نہ ہوگی۔ کہ تمہارے خلاف کچھ کہہ سکے۔ یہی کامیابی کی کنجی ہے۔ اسے ہاتھ میں لو۔

اوویت واد کے ایک استعارہ کا اگر استعمال کیا جائے۔ تو
کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ تمام دنیا سیلف ہپنوٹزم کی حالت
میں ہے۔ قوت ارادی ہی طاقت ہے۔ مضبوط قوت
ارادی رکھنے والا انسان اور انسانوں کے دلوں میں بھی وہی خیالات
کی ترنگیں پیدا کر سکتا ہے۔ جو کہ اسکے دل میں لہریں مار رہی ہیں۔ ایسے مضبوط
قوت ارادی والے انسان پیدا ہوں۔ جب ہم میں سے بہت ایک خیال کے
ہو جاتے ہیں۔ تب ہی ہم میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ باقاعدہ کام کرنے والی
سبھائیں اور سماجیں طاقتور اور مضبوط کیوں ہیں۔ چار کروڑ انگریز تیس کروڑ
ہندوستانیوں پر کیسے حکومت کر رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ آرگنیزیشن
مادی چیز ہے۔ اس کا سائیکولوجیکل حل کیا ہے۔ یہ چار کروڑ انسان اپنی قوت
ارادی کو یکجائی کر سکتے ہیں۔ اور وہ بہت ہی زبردست طاقت ہو جاتی ہے اور ہم
تیس کروڑ سب ایک دوسرے سے جدا ہو۔ اسلئے ایک زبردست مستقبل اور آئندہ ہندوستان
بنانے کا تمام راز باہمی اتفاق اور قوموں اور طاقت ارادی کی یکجائی ہونے
میں پوشیدہ ہے۔ ہمارے دل میں اتھروید کا ایک لاثانی منتر چھپ رہا ہے۔ وید بھگوان کہتے
ہیں۔ جس منتر کا ارتھ یہ ہے۔ کہ "تم سب ایک دل والے اور
ایک خیال والے ہو"۔ کیونکہ پہلے دیوتا ایک دل اور ایک خیال کے ہو کر پوجا لینے
کے قابل ہوئے تھے یعنی دیوتاؤں کی انسان اسی لئے پوجا کرتے تھے کہ وہ سب ایک خیال
کے تھے۔ یہ لفظ بلفظ صحیح ہے۔ ایک دل اور ایک خیال کا ہونا سوسائیٹی کا راز ہے اور جتنا تم
مختلف سوالوں پر۔ کہ یہ اناری ہے۔ یہ آریہ ہے۔ یہ برہمن ہے۔ یہ برہمن نہیں ہے۔ لڑو اور جھگڑو گے
اتنا تم قوت اور طاقت سے یکجا اکٹھا ہونگے۔ بجائے جو کہ آئندہ ہندوستان کیلئے لازمی ہیں دور ہوتے جاؤ گے۔ تم یاد رکھو
کہ ہندوستان کے مستقبل کا انحصار اسی پہ ہے۔ یہی اسکی کامیابی کا راز ہے کہ ہم اپنی قوت ارادی کو اکٹھا کریں۔ اور ان سب منتشر

طاقتوں کو ایک مرکز پر قائم کرنیکے لئے ایک ساتھ کوشش کریں چینیوں میں ہر ایک کا خیال جدا جدا ہے اور مٹھی بھر جاپانی سب کا ایک ہی خیال ہے - نتیجہ کیا ہے - آپ سب لوگوں پر یہ اچھی طرح ظاہر ہے - کہنے کی ضرورت کیا ہے - اسی طرح یہ طاقت خیال دنیا بھر کی تاریخ میں کام کر رہی ہے تم ہمیشہ چھوٹی چھوٹی گٹھی ہوئی قوموں کو بڑی بڑی بکھری ہوئی قوموں پر حکومت کرتے دیکھتے ہو - یہ امر قدرتی ہے چھوٹی چھوٹی گٹھی ہوئی قومیں اپنے خیالات کو ایک مرکز پر آسانی سے قائم کر سکتی ہیں - اور وہ مضبوط ہو جاتی ہیں اور ترقی کر لیتی ہیں - جتنی کہ بڑی قوم ہو گی - اتنی ہی وہ قابو میں نہ آنے والی ہو گی - اس میں انسان کا بے ترتیب ہجوم ہو گا - اور وہ آپسمیں سر جوڑ کر نہیں رہ سکیں گے - اسلئے میری آپ سے پھر درخواست ہے - کہ آپ ان تمام باہمی جھگڑوں اور خانہ جنگیوں کو بند کر دیں - اور ایک دل ایک جان ہو کر اپنی جاتی اور اپنے دیش کی بہتری اور بہبودی کے لئے کوشش کریں ۔

اوم

قومی تعلیم

(اسی لیکچر میں آپ نے قومی تعلیم کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار فرمایا)

ہمارے لئے قوم کی روحانی اور دنیاوی تعلیم پر اپنا قابو رکھنا بھی لازمی ہے۔ آپ میرے ان الفاظ کا کیا مطلب سمجھے۔ آپ کو خواب دیکھنے چاہئیں۔ باتیں کرنا چاہئیے۔ سوچنا چاہئیے۔ اور کام کرنا چاہئیے۔ جب تک تم ایسا نہ کروگے۔ قوم کی بہتری کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ یہ تعلیم جو کہ آجکل آپ کو مل رہی ہے اسمیں کچھ اچھی باتیں بھی ہیں۔ لیکن اس کے پیچھے بہت بڑی خرابی چھپی ہوئی ہے۔ اور یہ خرابی اتنی بڑی ہے۔ کہ بھلائی اس کا پاسنگ بھی نہیں ٹھہرتی سب سے اول۔ یہ تعلیم مرد بنانے والی تعلیم نہیں۔ یہ بالکل اور پوری پوری منفی تعلیم ہے منفی تعلیم۔ یا کوئی تعلیم جس میں نفی سکھائی جائے۔ موت سے بھی بدتر ہے بچہ سکول میں جاتا ہے۔ اسے پہلا سبق کیا ملتا ہے۔ یہ کہ اس کا باپ بیوقوف ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کا دادا دیوانہ تھا۔ تیسرا یہ کہ اس کے سب مذہبی گرو مکار تھے۔ اور چوتھا یہ کہ اس کی سب مذہبی کتابیں جھوٹ اور کذب سے بھری ہوئی ہیں۔ اس طرح سولہ سال کی عمر ہونے تک وہ اچھا خاصہ منفی کا پتلا بنجاتا ہے۔ نہ اس میں اصلی زندگی ہوتی ہے۔ نہ ملکی ہڈی۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ ایسی تعلیم نے ۵۰ سال میں بھی تینوں پریذیڈنسیوں میں ایک شخص بھی ایسا پیدا نہیں

کیا جس پر بجا طور سے ناز اور فخر کیا جا سکے۔ ہر ایک انسان نے جس میں کچھ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ کہیں دور ہی۔ اس دائرہ سے باہر تعلیم پائی ہے۔ ہا اس نے وہم اور شبہ کو دور کرنے کے لئے اسے اپنی پرانی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت پڑی ہے۔ یہ تعلیم نہیں۔ تعلیم کا مقصد اس آگہی سے نہیں۔ جو کہ تمہارے مغز میں ٹھونس دی جائے۔ اور جو کہ وہاں ہضم ہوئے بغیر کھلبلی مچاتی رہے۔ اور تمہاری عمر بھر جنگ واٹرلو کا نقشہ پیدا کرتی ہے۔ ہمیں زندگی بنانے والی۔ انسان طیار کرنے والی۔ چال چلن سدھارنے والی۔ اور خیالات کو پختہ کرنیوالی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اگر تم نے پانچ خیالات اپنے دل میں جمائے۔ اور انہیں اپنی زندگی اور اپنے چال چلن کا حصہ بنا لیا تو تم نے اس انسان کی نسبت جس نے کتب خانے کے کتب خانے نوک زبان کر رکھے ہیں۔ اور تعلیم میں اس سے بہت بڑھ گئے ہیں۔ چار پائے بر و کتابے چند۔ نے محقق شود نہ دانشمند آن تہی فرو مایہ را زاں چہ خبر کہ بر و ہیزم است یا دفتر۔ اگر تعلیم کا مطلب آگہی ہے۔ تو کتب خانے دنیا میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ اور انسائیکلوپیڈیا سب سے بڑی رشی ہیں۔

اس لئے معراج یہ ہے۔ کہ ہم اپنے ملک کی تمام تعلیم روحانی اور دنیاوی اپنے ہاتھ میں لیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے قومی طریقے اور قومی ڈھنگ پر۔ قومی ذرائع سے اس کو پھیلا دیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بڑی بھاری سکیم ہے۔ میں نہیں جانتا۔ کہ کبھی اس کے مطابق پورا پورا عمل درآمد بھی ہو سکے گا یا نہیں۔ لیکن یہ ضرور کہونگا۔ کہ اب ہمیں کام شروع کر دینا چاہئے۔ کسطرح۔ مثال کے طور پر مندر اس کو ہی لیجئے۔ ہمیں ایک مندر جاری کرنا چاہیئے۔ مندر ضرور ہونا چاہئے کیونکہ ہندو قوم کے کام میں سب سے

پہلی جگہ مذہب کی ہے۔ یہ ہمارا مندر مت متانتروں سے الگ ہوگا۔ اس کا متبرک نشان "اوم" ہوگا۔ "اوم" ہر مت متانتر میں مانیہ اور پوجنے لائق سمجھا جاتا ہے۔ اگر ہندوستان میں کوئی مت ایسا ہے۔ جو "اوم" کو متبرک نہیں سمجھتا۔ اور یہ کہتا ہے۔ کہ "اوم" ہمارا نشان نہیں ہونا چاہیئے۔ تو وہ ہندو نہیں۔ اس کا ہندو کہلانے کا کوئی حق نہیں۔ اس مندر میں سب کو ایک خیال کا اپنے اپنے اعتقادات کے مطابق تشریح اور توضیح کرنے کا مجاز ہوگا۔ لیکن وہ یا مندر سب کا مشترکہ ہی ہوگا۔

تم اپنے اپنے اشٹ دیویوں کی مورتیاں علیحدہ علیحدہ مندروں میں کھو لیکن اوروں سے لڑائی جھگڑا کرتے مت پھرو۔ اس مندر میں سب کو وہ اصول سکھائے جائیں۔ جو کہ سب متانتروں کے مشترکہ ہوں گے۔ اور جن کے ماننے میں کسی کو انکار نہ ہوگا۔ اور ساتھ ہی اس کے مختلف مت متانتر والوں کو پوری پوری آزادی ہوگی۔ کہ وہ آکر اپنے اپنے مذاہب کی تلقین کریں۔ لیکن شرط یہ ہوگی۔ کہ اور مت والوں سے جھگڑا بکھیڑا نہ پیدا ہو۔ جو کچھ تم کہنا چاہو۔ کہو۔ دنیا کو اس کی ضرورت ہے۔ لیکن دنیا کو یہ سننے کی فرصت نہیں۔ کہ اوروں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ یہ رائے آپ اپنے ہی پاس رکھیں۔ اسے ہوا لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

دوسری بات یہ ہو۔ کہ اس مندر کے ساتھ ہی ساتھ ایک ایسی پاٹ شالا بھی ہو۔ جہاں ادھیاپک یعنی استاد اور اپدیشک یعنی واعظ تیار کیے جائیں۔ ان ادھیاپکوں اور اپدیشکوں کو گاؤں گاؤں میں جاکر لوگوں کو مذہبی اور دنیاوی تعلیم دینا ہوگا۔ اور انہیں در بدر پھر کر دنیاوی تعلیم بھی اسی طرح دینا چاہیے۔ جیسا کہ اب تک مذہبی تعلیم دیجاتی رہی ہے۔

ہمیں مذہبی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ دنیا میں روزی کمانے کی تعلیم بھی دربدر گھر گھر میں پھیلانی چاہیئے۔ یہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ پھر یہ کام ان اپدیشکوں اور ادھیاپکوں کے گروہوں کے ذریعہ سے خوب پھیل سکتا ہے۔ اور ہم اسی قسم کے مندر ہندوستان کے بڑے بڑے مقامات پر جو کہ اپنے اپنے علاقے کے مرکز ہوں بنا سکیں گے۔ اسی طرح یہ سلسلہ تمام ہندوستان بھر میں اشاعت پا سکتا ہے۔

یہ میری تجویز ہے۔ ممکن ہے کہ یہ آپ کو بہت بڑی اور ناممکن سی معلوم دے لیکن یہ ہمارے لئے ضروری ہے۔ ہمیں اسکی ضرورت ہے۔ تمہارا سوال ہوگا اس کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا۔ روپیہ کچھ بھی نہیں چاہیئے۔ روپیہ کا کیا فکر ہے۔ اپنی زندگی کے گذشتہ بارہ برس میں مجھے یہ معلوم نہیں ہوا۔ کہ اگلے وقت کا کھانا مجھے کہاں سے ملے گا۔ لیکن کھانا ہی نہیں۔ بلکہ روپیہ کپڑا۔ کتاب وغیرہ جس چیز کی بھی ضرورت ہو۔ مل ہی رہتی ہے۔ کہیں نہ کہیں سے آ ہی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ میری غلام ہیں۔ میں ان کا غلام نہیں روپیہ اور دوسری سب چیزوں کو میرے لئے آنا ہی پڑتا ہے۔ آنا ہی پڑتا ہے۔ آنا ہی پڑتا ہے۔ اس لفظ پر دھیان دو۔

یہ کام پورا کرنے والے انسان کہاں ہیں۔ یہ سوال ہے۔ جو کہ غور طلب ہے ہم کیا سے کیا ہو گئے۔ میں نے اسکا ذکر آپ سے کر دیا ہے۔ آدمی کہاں ہیں۔ مدراس کے نوجوانوں۔ میری آنکھ آپ پر لگ رہی ہے۔ میری امیدیں آپ پر منحصر ہیں۔ کیا تم اپنی قوم کی پکار سنو گے۔ کیا تم اس پکار کو سن کر اس کا جواب دینے کے لئے طیار ہو۔ اگر تم میرے لفظوں پر اعتبار کرنے کی جرأت کر سکتے ہو۔ تو میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ تم میں سے ہر ایک

اس لئے آپ نہایت شاندار مستقبل موجود ہے۔ اپنے میں ویسا ہی پکا اور مضبوط اعتقاد ہو۔ جیسا کہ مجھے اُس وقت تھا۔ جب کہ میں بچہ سا تھا۔ اور جس اعتقاد سے اثر پذیر ہو کر میں اب کام کر رہا ہوں۔

آپ میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر ایسا ہی بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ اور یہ جاننا چاہیئے کہ وہ دائمی طاقت ہم میں سے ہر ایک کے جیو آتما میں موجود ہے۔ اور آپ ضرور بھارت ورش کو از سر نو زندہ کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ ہاں ہم ہر ایک ملک میں جو کہ سورج کے نیچے موجود ہے۔ جائیں گے۔ اور ہمارے یہ خیالات آج سے دس سال کے اندر ہی ان بہت سی مختلف طاقتوں میں سے ہوں گے۔ جو کہ دنیا میں ہر قوم کے بنانے میں کام کر رہے ہیں۔ ہمیں ہندوستان اور اس سے باہر۔ ایک نسل کی زندگی میں گھسنا چاہیئے۔ تب ہی ہمارا کام ہو گا۔ یہ طریقہ ہے جس سے ہمارا کام ہو سکتا ہے۔

مجھے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ وید بھگوان فرماتے ہیں۔ مضبوط تندرست نیز عقل نوجوان ہی پرماتما تک پہنچینگے۔ یہ ہی وقت ہے۔ جبکہ آپ اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جوانی کی اس امنگ اور طاقت سے جب تک دنیا کے تفکرات نے تمہیں نہیں دبایا جب تک دنیا کے دھندوں نے تمہاری طاقتوں کو زائل نہیں کیا۔ اور جب تک تمہارا چہرہ جوانی کے رنگ و روغن سے تر و تازہ ہے۔ تب ہی تک موقعہ ہے۔ کہ تم اپنے آئندہ کا فیصلہ کر لو۔ کام کرو۔ یہی وقت ہے۔ تازہ سے تازہ۔ خوبصورت سے خوبصورت پھول جنہیں ابھی تک کسی نے نہیں چھوا۔ جنکی خوشبو ابھی تک کسی کے دماغ تک نہیں پہونچی۔ ایسے من ہرن کرنیوالے پھول۔ پرماتما کے سری چرنوں پر ارپن کئے جائیں۔ وہ دیالو پتا انہیں پرسن ہو کر سویکار کرتے ہیں۔

اس لیئے عزیزو۔ بچو۔ بھائیو۔ اٹھو۔ آپس میں لڑائی جھگڑے کرنے۔ وکیل بیرسٹر بننے یا دیگر دنیاوی کام کرنے کی نسبت ہمیں اور بہت متبرک۔ بہت ضروری اور بہت مہاں کام کرنے ہیں۔ قوم اور ملک کے لیئے تمہارا یہ اپنے آپ کو قربان کرنا دنیا کے دھندوں میں پھنسنے کے ہزار ہا درجہ بہتر ہو گا۔ دنیا کی بہبودی کے لیئے کام کرنا بہت ہی اعلےٰ اور سب سے بہتر ہے۔ زندگی بہت تھوڑی ہے۔ اس زندگی میں کیا دھرا ہے تم ہندو ہو۔ اور تمہارا یہ پیدائشی اعتقاد ہونا چاہیئے۔ کہ زندگی دائمی ہے۔

بعض دفعہ یہاں مدراس میں ہی میرے پاس ایسے نوجوان آتے ہیں۔ جو کہ ناستکتا کی باتیں کرتے ہیں۔ میں یقین نہیں کرتا۔ کہ کوئی ہندو کبھی ناستک ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی انگریزی ناستکوں کی کتابیں پڑھ لے۔ اور اپنے آپ کو دھوکہ دے لے۔ کہ وہ مادہ پرست ہے لیکن آپ یاد رکھیں یہ خیال صرف چار یا پانچ مہینے تک ہی رہ سکتا ہے۔ یہ خیال تم لوگوں کے خون میں پیوست نہیں ہو سکتا۔ تم اس بات کا یقین نہیں کر سکتے۔ جو کہ تمہاری مٹی میں نہیں۔ تمہارے لیئے یہ ایک ناممکن سا کام ہے۔ اس قسم کے کام کے لیئے کوشش نہ کرو۔ میں نے بھی جبکہ میں لڑکا تھا۔ اسبات کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ نہ ہو سکا۔

زندگی تھوڑی ہے۔ لیکن آتما اجرامر ہے۔ اس لیئے چونکہ موت برحق ہے۔ آؤ ہم ایک نہایت اعلےٰ معراج قائم کر لیں۔ اور اپنی تمام زندگی اس معراج کے لیئے نذر کر دیں۔ آؤ ہم یہ مصمم ارادہ کر لیں۔ اور دیالو پتا پرماتما کرپا کریں دیا کریں۔ کہ ہم اس کے بنائے جیوؤں کی بہبودی اور بہتری کے لیئے بار بار جنم لیں یہ ہمارے شاستروں کا حکم ہے۔ کرشن بھگوان ہمیں برکت دیں۔

اور اپنے ارادوں کو پورا کرنے اور معراج حاصل کرنے پر تشفی پرادان کریں۔ اور سیدھے راستہ پر ہماری رہنمائی کریں۔

اوم شم

ہمالیہ

جب سوامی جی مہاراج امریکہ سے آ کر الموڑہ گئے۔ تو وہاں کے باشندگان نے آپ کو ایک ایڈریس نذر کیا تھا جس کے جواب میں آنجناب نے ایک مختصر سی تقریر میں ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ ہمالیہ پربت کی بزرگی کی نسبت آپ نے جو خیالات پیش کئے تھے۔ وہ ہدیہ ناظرین ہیں۔

یہ پاک سرزمین میرے بزرگوں کے خواب کی سرزمین ہے۔ یہاں پر ہی شری متی پاربتی جی کا جو کہ بھارت باسیوں کی ماتا ہیں۔ جنم ہوا تھا۔ یہی وہ پوتر بھومی ہے۔ جہاں ہندوستان کا ہر ایک دھرم آتما پرش اپنی زندگی کے آخر دن گذارنے کے لئے آنا چاہتا ہے۔ اس متبرک دیش کے سربلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر۔ اس کی گہری کندراؤں اور غاروں میں اس کے زور شور سے بہتے ہوئے پوتر دریاؤں اور چشموں کے ہرے بھرے کناروں پر نہایت ہی عجیب اور حیرت انگیز خیالات سوچے بچارے گئے ہیں۔ جنکی معمولی معمولی باتوں نے غیر ممالک کے عالموں کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ اور دنیا بھر کے نکتہ شناس انہیں لاثانی اور بے نظیر بتانے لگے ہیں۔

یہی وہ سرزمین ہے۔ جہاں میں بچپن سے ہی اپنی زندگی گذارنے کی

خواہش کرتا رہا ہوں۔ اور جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے۔ بار بار میں یہی کوشش کرتا رہا ہوں۔ کہ ہمیشہ یہاں ہی رہوں۔ اگرچہ میری یہ خواہش پوری ہونے کا وقت نہیں آیا۔ اور مجھے اس پاک جگہ سے باہر جا کر اپنا کام کرنے کی ضرورت مجبور کرتی رہی۔ لیکن پھر بھی میری یہی تمنا ہے۔ کہ میں اپنی زندگی اسی جہاں پربت کی گود میں گذاروں۔ جہاں کہ ہمارے رشی مُنی ہمیشہ رہتے چلے آئے ہیں۔ اور جہاں کہ ہمارے درشن شاستروں نے جنم لیا ہے میرے دوستو شاید میں ایسا نہ کرسکوں۔ شاید میں اپنی یہ دلی آرزو پورا کرنے کے قابل نہ ہو سکوں۔ جیسا کہ اب تک میری یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ ممکن ہے۔ کہ آئیندہ بھی نہ ہوسکے۔ لیکن میری یہ دلی خواہش ہے ہمیشہ میں پرماتما سے یہی دلی خواہش ہے۔ ہمیشہ میں پرماتما سے یہی دعا مانگتا ہوں۔ اور میرا پورا پورا یقین ہے۔ کہ دنیا بھر میں یہی پوتر جگہ میری آخری رہائش کا مقام ہوگی۔

اس پاک اور پوتر بھومی میں رہنے والو تم نے میرے ناچیز کام کی جو کہ میں نے مغرب میں سر انجام دیا۔ جو تعریف کی ہے۔ اس کے لیئے میرا شکریہ قبول کرو۔ لیکن ساتھ ہی اس کے میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ جو کچھ میں نے مغرب یا مشرق میں کیا ہے۔ میرا دل اس کے بارے میں کچھ بھی کہنا یا سننا نہیں چاہتا۔

جونہی کہ اس پربتوں کے راجہ ہمالہ پہاڑ کی چوٹی کے بعد چوٹی میری نظروں کے سامنے آئی ہے۔ ویسے ہی کام کرنے کی تمام خواہش۔ کام کرنے کا وہ تمام جوش جو کہ برسوں سے میرے دل و دماغ میں جا گزین رہا ہے۔ شانت ہوتا ہوا معلوم ہونے لگا۔ کیا کام کیا ہے۔ اور کیا کچھ کرنے کو باقی ہے اس

بارے میں سوچنے یا بات چیت کرنے کی بجائے میرا دل اس ایک نہمان کام کی طرف جاتا ہے۔ جو کہ یہ پوتر پربت اپنی مثال سے ہمیں سکھا رہا ہے۔ وہ کام جو کہ یہاں کے خوشبودار اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بتاتے ہیں۔ وہ ایک سبق جو کہ مجھے یہاں کے سرسر بہتے ہوئے دریاؤں کی آوازوں میں سنائی دیتا ہے۔ وہ کام کیا ہے؟ تیاگ ویراگ۔

𑆱𑆫𑇀𑆮𑆁 𑆮𑆱𑇀𑆠𑆶 𑆨𑆪𑆳𑆤𑇀𑆮𑆴𑆠𑆁 𑆨𑆶𑆮𑆴 𑆤𑆸𑆟𑆳𑆁 𑆮𑆽𑆫𑆳𑆓𑇀𑆪𑆩𑆼𑆮𑆳𑆨𑆪𑆩𑇀

اس زندگی میں ہر ایک چیز خوف سے بھری ہوئی ہے۔ صرف ویراگ ہی آدمی کو بے خوف اور نڈر بنانے والا ہے۔ ہاں یہ تیاگ بھومی ہے۔ یہ ویراگ کی سرزمین ہے۔ وقت مجھے اجازت نہیں دیتا۔ کہ میں اس کے بارے میں اپنی رائے اور اپنے خیالات کا پورے طور پر اظہار کر سکوں۔ اور اس وشے پر زیادہ کہنے کے لئے یہ موقعہ بھی مناسب نہیں۔ اس واسطے میں اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے آپ سے صرف یہی کہنا چاہتا ہوں۔ کہ یہ ہمالیہ ہمارے سامنے تیاگ کی صورت ہو کر کھڑا ہے۔ اور جو بڑا سبق ہم دنیا کو ہمیشہ سکھا سکتے ہیں وہ یہ تیاگ کا ہی پوتر سبق ہے۔

جسطرح کہ ہمارے پرانے بزرگ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اس کی طرف کھچے آیا کرتے تھے۔ اسی طرح آنے والے زمانہ میں جب کہ یہ مذہبوں کی لڑائی، مسلوں کے اختلاف، فرقوں کے جھگڑے دور ہو جائینگے۔ جبکہ میرے مذہب اور آپ کے مذہب کا تفرقہ مٹ جائیگا۔ جبکہ دنیا یہ سمجھ جائیگی۔ کہ دنیا میں ایک ہی دائمی مذہب ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہم خدا کا اپنے اندر خیال کریں۔ اسکی ماسوا جو کچھ بھی ہے۔ فضول اور لغو ہے۔ اور جبکہ ان پرانی باتوں کو یاد کرنے والا کوئی بھی نہ رہیگا۔ تب مضبوط اور عالی حوصلہ آتمائیں یہ معلوم کرکے کہ دنیا ہیچ ہے لافانی

میں سب سے لافانی ہے۔ یہ جان کرکے کہ ہر چیز جھوٹی ہے۔ است ہے۔ مایا ہے ظاہری ہے۔ اگر کچھ ہے۔ تو پرماتما ہی ہے۔ اس کی بھگتی ہی ہے۔ یہاں آرام پانے کے لیئے آیا کریں گی۔ اور اپنی باقی زندگی اسی پوتر پربت کی کندراؤں میں پرماتما کے دھیان میں مگن ہوکر بتائیں گی۔

دوستو! آپ نے مجھ پر بہت مہربانی کی۔ جو ایک بات جو کہ اب تک میرے دل میں ہی تھی۔ ظاہر کی۔ وہ یہ کہ یہاں ہمالیہ میں ایک مرکز قائم کیا جاوے۔ اس مقام کی جو بزرگی اور عظمت میرے دل میں موجود ہے۔ وہ میں نے آپ پر اچھی طرح ظاہر کردی ہے۔ اور اسی لیئے میں اس جگہ کو دنیا بھر کے آئندہ مذہب کی اشاعت کا مرکز بنانے کے لائق مقامات میں سے ایک مقام سمجھتا ہوں۔ یہ پربت ہماری جاتی کی اعلےٰ سے اعلےٰ یادگاروں سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر مذہبی ہندوستان سے ہمالیہ پربت کو نکال لیا جاوے۔ تو بہت ہی کم باقی رہ جاتا ہے۔ اس لیئے یہ جگہ دنیا کے مختلف مرکزوں میں سے ایک ایسا مرکز بنائے جانے کے لائق ہے۔ جہاں کہ صرف چستی اور چالاکی ہی نہ ہو۔ بلکہ شانتی وچار اور امن وامان بھی ہو۔ اور مجھے امید کامل ہے۔ کہ ایک نہ ایک دن میری یہ امید ضرور پوری ہوگی۔ اوم شم

ہندوستانی خیالات سے دنیا کی فتح

(سوامی جی مہاراج نے یہ لیکچر ہمارے سامنے کیا کام ہے اس مضمون کے متعلق مدراس میں دیا تھا)

پیارے بھائیو! اس تمام الفت کے باوجود جو مجھے ہندوستان سے ہے۔ اس تمام حب الوطنی کے باوجود جو کہ میرے سینہ میں موجزن ہے۔ اور اس تمام

تعظیم اور تکریم کے باوجود جو کہ پرانے رشی منیوں کی میرے دل میں موجود ہے میں یہ خیال کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ ہمیں ابھی دنیا سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ ہمیں ہمیشہ سب کے قدموں میں بیٹھ کر سبق سیکھنے کے لئے طیار رہنا چاہیئے کیونکہ آپ لوگ اس بات کا خیال رکھیں۔ کہ ہر شخص ہمیں کوئی نہ کوئی بڑا سبق سکھلا سکتا ہے۔

منو بھگوان جو کہ ہمارے بڑے واضع قوانین ہیں۔ فرماتے ہیں۔ نیچ سے نیچ اور کمینے سے کمینے آدمی سے بھی کچھ نہ کچھ اچھی بات سیکھ لو۔ سیوا کر کے شورگ کا راستہ معلوم کرو۔ اسلئے ہمیں منو بھگوان کا سچا پیرو بنکر ان کی اس آگیا کا پالن کرنا چاہیئے۔ اور ہر ایک سے جو ہمیں کچھ سکھا اور بتا سکے۔ اپنی اس زندگی کے سبق سیکھنے کو طیار رہنا چاہیئے۔ ساتھ ہی اس کے ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ ہمیں بھی دنیا کو بہت بڑے بڑے سبق سکھانے ہیں۔ ہم ہندوستان سے باہر جو دنیا آباد ہے۔ اس کے بنا کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ ہماری بیوقوفی تھی۔ جو ہم اب تک یہ خیال کرتے رہے۔ کہ دنیا کے بغیر ہمارا گذارہ ہو سکتا ہے ہمیں ہماری اس غلطی کی یہ سزا مل چکی۔ کہ تقریباً ہزار سال سے ہم غیروں کی غلامی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

ہمارے ہندوستانی دماغ کی کمزوری اور تنزلی کا باعث یہ ہے۔ کہ ہم غیر قوموں سے ملکر اپنے اور ان کے حالات کا مقابلہ نہیں کرتے۔ اپنے گرد و نواح کے حالات اور موقعوں کو نہیں دیکھتے۔ اور دوسرے ملکوں کے کام کرنے کے ڈھنگ اور طریقوں پر غور نہیں کرتے۔ ہم اس کا جرمانہ بہت کچھ بھگت چکے۔ لیکن آداب زیادہ تو نہ دیں۔ تمام ایسے بیوقوفانہ خیالات کو ہندوستانیوں کو سمندر پار نہ جانا چاہیئے۔ بیکار جیسے ہیں۔ ایسے خیالات کا سر کچل ڈالنا

چاہیئے۔ جتنا آپ گھر سے باہر نکلیں گے۔ دنیا کی دوسری قوموں میں سیر و سفر کر کے ان کے حالات کا مطالعہ کرینگے۔ اتنا ہی آپ کے اور آپ کے ملک کے حق میں بہتر ہے۔ اگر سینکڑوں سال پہلے یہ کام شروع کر دیتے۔ تو آج تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔ آج تم دنیا بھر کی قوموں کے جو تمہارے ہندوستان پر حکمران ہو چکی ہیں۔) قدموں میں نہ پڑے ہوتے۔

زندگی کا پہلا اظہار وسعت اور پھیلاؤ ہے۔ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو۔ تو تمہیں پھیلنا چاہیئے۔ جونہی کہ تم پھیلنا بند کر دو گے۔ موت تمہارے سر پر موجود ہے۔ خوف تمہاری گردن پر سوار ہے۔ میں یورپ اور امریکہ گیا تھا۔ جس کے بارے میں آپ لوگ نہایت مہربانی سے ذکر کیا کرتے ہیں۔ مجھے وہاں جانا پڑا۔ کیونکہ یہ ہماری قومی زندگی کے از سرِ نو عود کر آنے اور ہمارے پھیلاؤ کی علامت تھی۔ اس قومی زندگی کے از سرِ نو عود کر آنے۔ اور ہمارے پھیلاؤ کی علامت تھی۔ اس قومی زندگی کے از سرِ نو پیدا ہونے نے اس اندرونی پھیلاؤ نے۔ مجھے کچھ عرصہ کے لیے نکال کر باہر پھینک دیا تھا۔ اور ہزاروں کو اسی طرح نکال کر پھینک دے گی۔

عزیزو! اب میرے لفظوں کو یاد رکھیں۔ اگر ہمارے جاتی کو دنیا میں زندہ رہنا ہے۔ تو ایسا ضرور ہی کرنا پڑے گا۔ اس لیے یہ وسعت ہی قومی زندگی کی از سرِ نو پیدائش کی سب سے بڑی علامت ہے۔ اور اسی وسعت کے ذریعہ سے تمام دنیا کے انسانوں میں ہمیں جو ودیا کا پرچار کرنا ہے۔ ہم ایسے کر سکیں گے دنیا کو ابھار دینے کے کام میں ہمارا جو حصہ ہے۔ وہ گھر سے باہر نکل کر دنیا میں جانے سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔

یہ کوئی نئی بات نہیں آپ میں سے جنکا یہ خیال ہے۔ کہ ہندو ہمیشہ سے

اسی ملک کی چار دیواریوں میں محصور چلے آئے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ انہوں نے اپنے سب گرنتھوں کو مطالعہ نہیں کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے اپنی قومی تاریخ کو ٹھیک ٹھیک طور پر نہیں پڑھا

میں ایک عالم خیال میں رہنے والا آدمی ہوں۔ میرا خیال ہے۔ کہ ہندو قوم تمام دنیا کو فتح کرے گی۔ دنیا میں بہت سی فاتح قومیں ہو چکی ہیں۔ ہم بھی کسی زمانے میں بڑے فاتح تھے۔ ہماری فتح کی کہانی ہندوستان کے شہنشاہ اعظم اشوک کے کارناموں سے ظاہر ہے۔ جس نے کہ دنیا پر مذہبی اور روحانی فتح حاصل کی تھی۔

ایک دفعہ ہندوستان دنیا کو پھر فتح کریگا۔ اور ضرور فتح کریگا۔ یہ میری زندگی کا خواب ہے۔ اور میری خواہش ہے۔ کہ آپ سب آپ میں سے ہر ایک جو کہ میرے ان الفاظ کو سن رہے ہیں اپنے دل اور دماغ میں اس خواب کو جگہ دیں اور جب تک اس خواب کو امر واقعہ کر کے نہ دکھا دیں۔ صبر نہ کریں۔ لگاتار کوشش میں لگے ہی رہیں۔ لوگ ہم سے کہیں گے۔ کہ میاں پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ اسے تو ٹھیک کرو۔ پھر ہی باہر نکلنا۔

تو کار جہاں را نکو ساختی
کہ با سماں نیز پرداختی

لیکن میں آپ سے صاف الفاظ میں کہتا ہوں۔ کہ جب آپ دوسروں کے واسطے کام کرتے ہیں تو اپنے لئے تم نے سب سے اچھا کام جو کیا ہے۔ وہ وہ کام ہے۔ جو کہ تم نے دوسروں کے لئے سرانجام دیا ہے۔ غیر ممالک میں اپنے خیالات کا پرچار کرنے کی کوشش کرنا سمندر پار جا کر اپنے شاستروں کی اشاعت میں محنت کرنا دوسرے ممالک کو اپنے خیالات سے روشنی بخشنا کس طرح سے اپنے ملک کی خدمت کہلایا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال آپ کو اسی جلسہ سے

حاصل ہو سکتی ہے۔

اگر میں ہندوستان میں ہی پڑا رہتا۔ اور اپنے خیالات کو یہاں تک ہی محدود رکھتا۔ تو میرے انگلینڈ اور امریکہ جانے سے جو اثر اس ملک میں پیدا ہوا ہے ہرگز اس اثر کا چوتھائی حصہ بھی پیدا نہ ہو سکتا۔ ہمارے لئے یہی سب سے بڑا معراج ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو اس کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ ہندوستان سے تمام دنیا کی فتح۔ بس یہی ہے۔ نہ اس سے کچھ زیادہ ہے۔ نہ کم۔ اس کے لئے ہم سب کو ہمیشہ اور ہر وقت کوشاں رہنا چاہیے۔ اور اس فرض کو سرانجام دینے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ کھونا چاہیے۔

اگر غیر ملکوں کے آدمی اپنی فوج ...... لے کر ہندوستان میں آتے ہیں۔ تو کچھ پرواہ نہیں۔ آنے دو۔ لیکن ہندوستانیو اُٹھو۔ کمریں کس کے کھڑے ہو جاؤ اور دنیا کو اپنی روحانیت سے فتح کر لو۔ ہاں جیسا کہ یہاں پہلے گذشتہ زمانے میں تھا۔ نفرت کو محبت اور الفت سے فتح کرو۔ نفرت کبھی نفرت کو فتح نہیں کر سکتی۔ مادہ پرستی کو معہ ان تمام مصائب کے جو کہ اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ مادہ پرستی ہرگز فتح نہیں کر سکتی۔ فوجیں جب فوجوں کو فتح کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ انسانیت کو حیوانیت سے تبدیل کر دیتی ہیں۔

روحانیت سے ہی مغرب فتح کیا جانا چاہیے۔ آہستہ آہستہ انہیں اس بات کا پتہ لگتا جا رہا ہے۔ کہ انہیں اپنی قومی ہستی قائم رکھنے کے لئے روحانیت ضرورت ہے۔ وہ پانے کے لئے انتظار کر رہے ہیں۔ وہ اس کے حاصل کرنے کو بیقرار ہیں۔ لیکن انہیں روحانیت مل کہاں سے سکتی ہے۔ ایسے آدمی کہاں ہیں جو کہ دنیا میں جا کر بھارت کے رشی مہرشیوں کا پیغام دنیا میں پہنچانے کے لئے طیار ہوں۔ ایسے آدمی کہاں ہیں۔ جو ایسے رشیوں کے پیغام کو دنیا کے کونے

ضرورت روحانیت

کونے میں پہنچنے کے لیئے اپنا سب کچھ قربان کردیں۔
ست کے پرچار کے لیئے ایسے بیروں اور بہادروں کی ضرورت ہے ویدانت کی اعلےٰ سچائیوں کی اشاعت کے لیئے ایسے بے غرض اور سچے کام کرنیوالوں کی حاجت ہے۔ دنیا کو اس کی ازحد ضرورت ہے۔ بلا اس کے دنیا تباہ ہو جائے گی۔ تمام مغربی دنیا ایک آتش خیز پہاڑ پر آباد ہے۔ جو کہ جنگل میں پھٹنے ہی کو ہے۔ انہوں نے تمام دنیا چھان ماری ہے۔ مگر انہیں اب تک اس آفت کا کوئی علاج نہیں ملا ہے۔ انہوں نے عیش و عشرت کے جام خوب اڑائے ہیں مگر اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی۔ اور بالآخر وہ بھی فضول اور نکمی ہی ثابت ہوئے ہیں۔

اب وقت ہے۔ کہ ہندوستان کے روحانی خیالات مغرب میں گہرے دھنسائے جائیں۔ اس لیئے نوجوانانِ مدراس میں خاص کر آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں۔ آپ یہ بات یاد رکھیں۔ کہ ہمیں اپنے ملک سے باہر جا کر دنیا کو اپنی روحانیت اور فلاسفی سے فتح کرنا چاہیئے۔ ہمارے لیئے اس کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ یا تو ہمیں یہ کام پورا کرنا چاہیئے۔ یا مر جانا چاہیئے۔ قومی زندگی کی صرف یہی شرط ہے۔ بیدار شدہ اور پرزور قومی زندگی کی صرف یہی علامت ہے۔ کہ دنیا کو ہندوستانی خیالات سے فتح کیا جائے۔

پیارے بھائیو۔ دنیا کے مختلف مذاہب جو جو دعوے کر رہے ہیں۔ وہ تم سب سنتے ہیں۔ وہ سب یہی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب ہی عالمگیر مذہب ہو گا۔ تمام دنیا میں پھیلے گا۔ میں سب سے پہلے آپ سے کہتا ہوں۔ کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مذہب دنیا میں عالمگیر ہونے کا سچا سچا دعوے کر سکتا ہے۔ تو وہ تمہارا مذہب۔ تمہارا دھرم ہے۔ تمہارے دھرم کے سوا اور

کسی کا یہ دعوےٰ پورا نہیں ہو سکتا۔ کیوں؟ کیونکہ اور مذہب انسان یا انسانوں پر مبنی ہیں۔ اور دوسرے مذاہب کسی تاریخی انسان کی زندگی کے واقعات پر منحصر ہیں۔ جس بات کو وہ اپنی طاقت خیال کرتے ہیں۔ وہ دراصل ان کی کمزوری ہے۔ کیونکہ اس انسان کی تاریخی عظمت کھو دو۔ اور ان کا سب مذہب ریتیلے قلعے کی مانند زمین پر آ رہے گا۔ ان بڑے مذاہب کے مرکزی انسانوں کی زندگی کی آدھی عظمت تو معدوم ہو چکی ہے۔ اور باقی نصف کی نسبت بڑے بڑے شک و شبہ کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے ان کے مذہب کی ہر ایک سچائی جسکی منظوری صرف ان بزرگوں کے الفاظ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ہوا میں اڑتی جا رہی ہے۔

اگرچہ ہمارے دھرم میں ہزارہا قابل تعظیم بزرگ ہیں۔ لیکن ہمارے مذہب کی سچائیاں ان پر منحصر نہیں۔ ہمارے عقائد کا انحصار آدمیوں پر نہیں راستی اور سچائی پر ہے۔ کرشن بھگوان کی عظمت اس وجہ سے نہیں۔ کہ وہ کرشن جی تھے۔ بلکہ ان کی عظمت اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ ویدانت کے بڑے بھاری اپدیشک اور شکشک یعنی واعظ اور معلم تھے۔ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو ان کا نام ہندوستان سے بدھ دیو کے نام کی مانند کبھی کا معدوم ہو گیا ہوتا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہم ہمیشہ سے اصولوں اور عقیدوں کے ماننے والے ہیں۔ انسانوں کے نہیں۔ انسان صرف ان عقیدوں اور اصولوں کے پیرو۔ اور ان کی راستی اور برتری کو اپنی زندگی میں دکھلانے والے ہیں۔ اگر اصول اور عقیدے موجود ہیں۔ تو ان کی پیروی کرنے والے ہزاروں اور لاکھوں انسان پیدا ہو جائیں گے۔ اگر اصول خراب نہ ہوتے انکی

پاکیزگی برقرار چلی آئی۔ تو سینکڑوں اور ہزاروں بدھ اور کرشن پیدا ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اصولوں کو ہی گم کردیا یا عقیدوں کو ہی کھلا دیا۔ اور تمام قوم کسی تاریخی کہلانے والے انسان کے دامن سے بندھ گئی۔ تو اس مذہب کی حالت پر نہایت افسوس ہے۔ کیونکہ وہ مذہب بہت ہی خطرے کی حالت میں ہے۔ اس لئے صرف ہمارا ہی مذہب ایسا ہے۔ جو کہ کسی انسان پر مبنی نہیں۔ اس کا صرف اصولوں پر ہی دارومدار ہے۔ اور اس وجہ سے صرف ہمارا ہی مذہب ایسا ہے۔ جو کہ عالمگیر ہو سکتا ہے۔ اور دنیا کا کوئی مذہب عالمگیر نہیں ہو سکتا۔ اوم شم

مشرق اور مغرب

(کلکتہ اور مدراس کے ایڈریسوں کے جواب میں سوامی جی نے ویدانت کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے مشرق اور مغرب کا مندرجہ ذیل الفاظ میں مقابلہ کیا ہے)

سچ پوچھو۔ تو دوسرے ممالک میں رہنے والے تعلیم یافتہ آدمیوں کو اپنے مذہب کی نسبت اتنا بھی علم نہیں ہوتا۔ جتنا کہ ایک ہندو کسان کو اپنے مذہب کے بارے میں معلوم ہوتا ہے۔ ایک دوست نے اس بات پر اعتراض کیا ہے۔ کہ میں نے اپنے لیکچروں میں فلاسفی اور مذہب کی یورپی اصطلاحات کیوں استعمال کی ہیں۔ میں بہت خوشی سے سنسکرت اصطلاحات استعمال کرتا اور مجھے انہیں آسانی بھی بہت ہوتی۔ کیونکہ ان مضامین پر خیالات کے اظہار کے لئے سنسکرت سب زبانوں سے زیادہ مکمل ہے۔ لیکن اعتراض کرتے ہوئے میرے دوست کو یہ خیال نہیں رہا کہ میں یورپ اور امریکہ کے

باشندوں میں ہی لیکچر دیتا رہا ہوں۔ اگرچہ ایک ہندوستانی مشنری نے یہ کہا تھا کہ ہندوستانی اپنی سنسکرت کتابوں کے معنی بھول گئے۔ اور عیسائی مشنریوں نے ان کتابوں کے معنی تلاش کئے ہیں۔ لیکن میں نے مشنریوں کے بڑے بڑے مجمعوں میں ایک بھی مشنری ایسا نہیں دیکھا جو سنسکرت کا ایک حروف بھی جانتا ہو۔ لیکن باایں ہمہ ان میں سے کئی نے ویدوں ویدانت اور ہندو دھرم کے پوتر پستکوں پر نکتہ چینی سے بھرے ہوئے لمبے لمبے مضمون لکھ دیے ہیں۔ یہ سچ نہیں۔ کہ میں کسی مذہب کا مخالف ہوں۔ یہ کہنا بھی کہ میں ہندوستان کے عیسائی مشنریوں کے خلاف ہوں۔ ویسا ہی سفید جھوٹ ہے لیکن میں ان کے بعض طریقوں کے خلاف جیسے کہ وہ امریکہ میں روپیہ وصول کرتے ہیں۔ زور سے اپنی آواز اٹھاتا ہوں۔

بچوں کے پڑھنے کی کتابوں میں ایسی تصویریں چھاپنے سے کیا مطلب ہے۔ جسمیں ایک ہندو ماں کو اپنے بچوں کو گنگاجی میں گھڑیالوں کے آگے ڈالتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ماں کا رنگ سیاہ ہے۔ لیکن روپیہ کمانے کے لئے زیادہ ہمدردی پیدا کرنے کے واسطے بچہ کا رنگ سفید کیا گیا ہے۔ اس تصویر سے کیا منشا رہا ہے جسمیں یہ دکھایا گیا ہے۔ کہ ایک شخص اپنی بیوی کو چتا پر زندہ جلا رہا ہے۔ تاکہ وہ مرکر چڑیل بنجائے۔ اور اپنے خاوند کے دشمنوں کو ستائے۔ ان بڑی گاڑیوں کی تصویروں سے کیا مطلب ہے جنکے نیچے آدمی کچل کچل کر مر رہے ہیں۔ ہمارے ہندوستان میں ہی کچھ دن ہوئے بچوں کے پڑھنے کے لئے ایک کتاب چھپی تھی جسمیں ایک شخص کے کلکتہ کے سفر کی کہانی تھی۔ اس میں اس نے بیان کیا تھا۔ کہ اس نے کلکتہ میں ایک گاڑی کے نیچے مذہبی دیوانوں کو کچلے جاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے ان بزرگ

آدمیوں میں سے ایک کو تفس نامی مقام پر اپنے وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہندوستان کے گاؤں گاؤں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی ہڈیوں سے پُر ایک ایک تالاب ہے۔

خدا جانے ہندوؤں نے ان حضرت مسیح کے شاگردوں کا کیا بگاڑا ہے جو وہ ہر ایک عیسائی بچے کے صفحۂ دل پر یہ نقش کر رہے ہیں۔ کہ ہندو صفحہ عالم میں سب سے خراب اور ہیبت ناک شیطان ہیں۔ اور انہیں ہندوؤں کو (. . . . .) "بدمعاش" "بدنصیب" کے نام سے مخاطب کرنا سکھاتے ہیں۔

یہاں بچوں کو اختیاری مدرسوں میں جو تعلیم دیجاتی ہے۔ اس کا جزو اعظم یہ ہے۔ کہ جو عیسائی نہیں ان سے عموماً اور ہندوؤں سے خصوصاً نفرت کرو۔ تاکہ بچپن سے ہی ان کے دل میں مشنریوں کو پیسے دان دینے کی عادت پڑ جائے۔ اگر راستی کی خاطر نہیں تو اپنے بچوں کے اخلاق کی خاطر ہی۔ ان عیسائی مشنریوں کو اس قسم کی تعلیم جاری رکھنا مناسب نہیں۔ اگر ایسی تعلیم پائے ہوئے بچے جوان ہو کر بے رحم اور سنگ دل مرد اور عورت بنتے ہیں تو تعجب ہی کیا ہے۔

ایک واعظ دائمی دوزخ کی تکالیف کا۔ وہاں کی ہمیشہ جلنے والے آتش کا خون اور پیپ کے دریا کا جتنا زیادہ بھیانک نقشہ لفظوں میں کھینچ سکتا ہے۔ پرانے خیالات کے آدمیوں کے نکتۂ خیال سے اتنا ہی زیادہ وہ ترقی کا مستحق خیال کیا جاتا ہے۔

میرے ایک دوست کی خادمہ ایک وعظ میں گئی۔ اور دوزخ کی مہیب تصویر نے اس کے دماغ پر ایسا اثر کیا۔ کہ وہ دیوانی ہو گئی۔ اور اسے

پاگل خانے بھیجنا پڑا۔

ہندو مذہب کے خلاف مدراس میں عیسائیوں کی جو کتابیں چھپی ہیں۔ ان پر نظر ڈالو۔ اگر کوئی ہندو عیسائیوں کے خلاف اس قسم کی ایک سطر بھی لکھدے۔ تو عیسائی انتقام کے لئے زمین آسمان ایک کردیں۔

میرے ہموطنو۔ مجھے ان کے ملک میں ایک سال سے زیادہ رہنے کا موقع ملا ہے۔ میں ان کی سوسائٹی کے ذرا ذرا سے حالات سے واقف ہوگیا ہوں۔ جب میں ان کی حالت اپنے ملک والوں کی حالت سے ملاتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ تو ہم پلید ہی ہیں۔ جیسے کہ عیسائی مشنری ہمیں بتلاتے ہیں۔ اور نہ وہ لوگ ایسے فرشتہ خصلت ہی ہیں۔ جیسا ہونے کا وہ دعوےٰ کرتے ہیں۔ عیسائی۔ پادری ہندوؤں کی بدتہذیبی۔ بچہ کشی اور طریقہ شادی کی خرابیوں کا جتنا کم ذکر کریں۔ اتنا ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ مغرب کے بعض ممالک کی درد شاکی اصلی تصویریں ایسی مہیب اور نفرت انگیز بنائی جاسکتی ہیں۔ جن کے سامنے وہ تمام فرضی تصاویر جو کہ عیسائی مشنری ہندو سوسائٹی کی کھینچتے ہیں۔ ماند پڑ جائینگی لیکن میری زندگی کا مشن تو یہ نہیں۔ کہ میں کسی سے تنخواہ لے کر دوسرے مذہب یا ملک والوں کی توہین یا برائی کروں۔ ہندو سوسائٹی کے لئے مکمل ہونے کا دعویدار میں نہیں۔ ایسے آدمیوں میں میرا درجہ سب سے آخری ہوگا۔ شاید ہی کوئی آدمی ہندو سوسائٹی کے عیبوں سے اور ان خرابیوں سے جو کہ سینکڑوں سال کی بدنصیبوں سے پیدا ہوئی ہیں۔ مجھ سے زیادہ واقف ہوگا۔ بدیشی دوستو۔ اگر آپ سچی ہمدردی سے ہماری مدد کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اور ہماری بربادی کے خواہاں

نہیں۔ تو خدا آپ کا بھلا کرے۔ اور آپ کو برکت دے۔ لیکن اگر ایک بدنصیب اور گری ہوئی قوم کو وقت بوقت الٹی سیدھی گالیاں سنا کر آپ اپنی قوم کی اخلاقی بزرگی کی ڈینگیں مارتے ہیں۔ تو مجھے صاف صاف الفاظ میں یہ کہنے کی اجازت دیجیئے۔ کہ اگر کسی قدر انصاف اور ایمان سے مقابلہ کیا جائے۔ تو بلحاظ اخلاق کے ہندو قوم دُنیا کی تمام قوموں سے برتر اور اعلےٰ ثابت ہو گی۔

ہندوستان میں مذہب کو کبھی حدبند نہیں کیا گیا۔ اپنا اشٹ دیو مت یا گورو انتخاب کرنے سے کسی شخص کو نہیں روکا گیا۔ اسی واسطے مذہب نے یہاں ایسی ترقی کی۔ کہ صفحۂ عالم پر کہیں بھی ایسی نہ کی ہو گی۔ برخلاف اس کے اس مذہبی لامحدود اختلاف کے جواز کے لئے ایک مستقل نکتہ کا ہونا لازمی تھا۔ ہندوستان میں وہ نکتہ سوسائٹی مقرر کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سوسائٹی یا جماعت مضبوط اور تقریباً ناقابل حرکت ہو گئی۔ کیونکہ ترقی کے لئے آزادی ہونا لازمی ہے۔

مغرب میں برخلاف اس کے سوسائٹی اختلاف کا میدان رہی اور مذہب مستقل نکتہ بنایا گیا۔

مضبوطی یورپین مذہب کا کلمہ احتیاط (واچ ورڈ) قرار پایا۔ اور اب بھی یہی ہے۔ مذہب میں ہر ایک نئی ترمیم جو کچھ بھی ہوئی۔ اسے ہی خون کے دریاؤں سے گذرنا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک عالیشان سوشل آرگنیزیشن (جماعتی ترتیب) ہو گئی۔ لیکن مذہب مادہ پرستی کے ادنےٰ ترین خیالات سے آگے ترقی نہ کر سکا۔

آج مغرب کو اپنی ضروریات کا احساس ہو رہا ہے۔ نئے ماہران مذہب

کی زبان پر آجکل انسان کی اصلی ہستی اور "روح" وغیرہ الفاظ چڑھے ہیں۔ اس سے سنسکرت فلسفہ کے جاننے والے کو پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ ہوا کا رخ کس طرف ہے۔ اگر طاقت سے زندگی پیدا ہوتی ہے۔ تو لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے۔ کہ یہ طاقت کہاں سے آئی ہے اور کیسی ہے۔ انہیں آم کھانے سے مطلب ہوتا ہے۔ پیڑ گننے سے نہیں۔

اسی طرح ہندوستان میں بھی نئی نئی باتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ جماعت کی نئی بناوٹ کے لئے زور شور سے کوشش ہو رہی ہے۔ گذشتہ ستر بہتر سال سے اصلاحی مجلسیں اور مصلح قوم برساتی کیڑوں کی طرح ملک کے ہر حصہ میں پھیل رہے ہیں۔ لیکن افسوس ان میں سے سب ہی کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انہیں اس کا راز معلوم نہیں۔ انہوں نے اپنی اس ناکامیابی سے جو سبق انہیں سیکھنا چاہئے تھا۔ وہ نہیں سیکھا۔ جلدی میں انہوں نے ان تمام خرابیوں کو جو کہ ہماری سوسائٹی میں پیدا ہو رہی ہیں۔ مذہب کے گلے منڈھ دیا۔ اور اس عقلمند کی مانند جس نے اپنے دوست کے سر پہ بیٹھے ہوئے مچھر کو مارنے کے لئے ایسی چوٹ ماری تھی۔ کہ مچھر کے ساتھ ہی دوست کا بھی سر پھوڑ دیا تھا۔ یہ حضرات ان خرابیوں کے ساتھ ساتھ مذہب کو بھی دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ہماری خوش قسمتی سے یہ بات ان کے قابو سے باہر ہے۔ وہ اچھل چٹان سے اپنا سر ٹکراتے ہیں۔ اور خود ہی صدمہ بھی اٹھاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ شریف اور بے غرض انسان

مبارک ہیں۔ جنہوں نے اس طرح غلط راستہ پر کوشش کرکے ناکامیابی اٹھائی ہے۔ اصلاح کے جوش میں انہوں نے قوم کو جو دھکے دیئے ہیں۔ قوم کے خواب غفلت کو دور کرنے کے لئے یہ دھکے توڑنے پھوڑنے والے تھے۔ بنانے اور سنوارنے والے نہیں تھے۔ اور وہ انسان ہونے کی وجہ سے خود ہی اس توڑ پھوڑ کا شکار ہوئے۔

ہمیں ان کا مشکور ہو کر ان کی مثال سے سبق لینا چاہئے انہوں نے یہ سبق حاصل نہیں کیا۔ کہ تمام ترقی اندر سے باہر کو ہوتی ہے۔ کہ تمام وکاش کسی پیشتر ہوئے ہوئے (انوولیوشن) کا از سر نو اظہار (ایوولیوشن) ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں سمجھا۔ کہ بیج صرف اپنے گرد و نواح کے مادہ کو جذب کرکے اپنے ہی بناوٹ کے قانون کے مطابق درخت بنا سکتا ہے۔ جب تک ہندو جاتی بالکل ہی معدوم نہ ہو جائے۔ اور اس کی جگہ کوئی اور قوم جاگزین نہ ہو جائے۔ ہندوستان میں ایسا ہونا ناممکن ہے مشرق سے کوشش ہو۔ یا مغرب سے۔ ہندوستان یورپ نہیں بن سکتا۔ ہاں بالکل ہی مر جائے۔ تو شاید کایا پلٹ ہو جائے گی۔

لیکن کیا وہ ہندوستان مرجائیگا۔ کیا یہ دنیا میں جو کچھ شرافت خُلق اور روحانیت ہے۔ ان سب کی بوڑھی ماتا بھارت مرجائے گی۔ کیا خدا زمین جہاں پاک رشی چلتے پھرتے ہیں۔ جہاں دیوتا صفت انسان اب بھی پیدا ہو رہے ہیں مرسکتی ہے۔ میرے بھائیو میں چراغ لے کر صفحۂ عالم میں آپ کے ساتھ چلنے کو طیار ہوں۔ گلی گلی۔ کوچے کوچے۔ گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں گھومنے کو مستعد ہوں۔ اگر یہ آپ کی طاقت میں ہے تو مجھے کسی اور ملک میں تو ایسے انسان دکھا دو۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ہندوستان کے ہر ایک آم کے درخت کے نیچے جاؤ۔ وہ سڑے گلے کچے اور کیڑے کھائے ہوئے پھلوں کو زمین پر سے اٹھا لو۔ ان میں سے ہر ایک کی حالت اور ذائقے پر سینکڑوں جلدیں لکھ مارو۔ لیکن کیا کبھی تم ایک آم کا بھی ٹھیک ٹھیک خیال لکھ سکو گے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اب ذرا ایک رس بھرے رسیلے۔ خوب پکے ہوئے آم کو درخت سے توڑ کر دیکھو۔ تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ آم کیا ہے۔ اور اس کا کیسا ذائقہ ہوتا ہے۔

اسی طرح ان دیوتا صفت انسانوں کے وجود سے ہی ہندو مذہب کی اصلیت اور عظمت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ ان سے ہی اس قومی درخت کی خاصیت۔ طاقت اور عظمت کا اندازہ لگ سکتا ہے جو کہ صدیوں کی تہذیب کا حال بتا سکتا ہے۔ جس نے ہزارہا سال سے عظیم سے عظیم انقلابوں اور طوفانوں کو برداشت کیا ہے۔ اور اب بھی ویسی ہی شان و شوکت سے کھڑا ہے گویا کہ جوان ہی ہے۔

کیا ہندوستان مرجائے گا؟ اگر ایسا ہوا تو اسکے ساتھ ہی دنیا

پیسے سے روحانیت کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ اخلاق کی کمالیت نیست و نابود ہو جائے گی۔ مذہب کی تمام شیرینی اور ہمدردی برباد ہو جائے گی۔ طاقت خیال کی تمام گھوڑدوڑ بند ہو جائے گی۔ اور ان سب کی جگہ شہوت اور عیاشی کے دیوی دیوتاؤں کی عبادت ہو گی۔ زر پرستی اسکی پجاری بنیگی مکاری اور مقابلہ کی طاقت کے رسم و رواج ہونگے۔ اور انسانی روح کی قربانی ہوا کریگی۔ ایسا اندھیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ برداشت کرنے میں کام بگڑنے سے از حد زیادہ طاقت ہے۔ پریم میں نفرت سے ہزارہا درجہ بل ہے وہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہندو دھرم کی موجودہ بیداری صرف جذبۂ حب الوطنی کا اظہار ہے سخت دھوکہ کھا رہے ہیں۔

آؤ ہم بھی سب سے پہلے اس عجیب واقعہ پر غور کریں۔

کیا یہ حیرت انگیز نہیں کہ جب کہ سائنس کی نئی تحقیقاتوں کے حملے کے سامنے مغرب کے مذہبی مسئلہ مسائیل کے تمام پرانے قلعے تخس نخس ہو رہے ہیں۔ جب کہ تازہ سائنس کا ہتھوڑا تمام ایسے رسم و رواجات کے برتنوں کو جو کہ اعتقاد۔ وشواس اور پادریوں کی کثرت رائے سے بنے ہوئے ہیں۔ توڑ پھوڑ کر چکنا چور کر رہا ہے۔ جب کہ مغربی تھیالوجی نئے خیالات کی دن بدن بڑھتے ہوئی لہروں کا مقابلہ کرنے سے گھبرا رہی ہے۔ جب کہ دیگر مذاہب کی کتابوں کے مسائیل و مضامین میں ان کو ہمیشہ بڑھتے ہوئے نئے علم کے مطابق کرنے کے واسطے جتنی کھینچ تان کی جا سکتی تھی وہ ہو چکی ہے۔ اور ان میں سے اکثر اس کھینچاؤ کی بدولت ٹوٹ پھوٹ کر ناکارہ ہو گئے ہیں جب کہ مغربی انسانیت کی ایک کثیر تعداد نے گرجا اور عیسائیت کے تمام بندھنوں کو توڑ کر ان سے [illegible] ہے اور بیکلی اور بے چینی کے سمندر میں

ادھر ادھر ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔ صرف وہ مذاہب جنہوں نے روشنی اور گیان کے سرچشمہ وید بھگوان سے امرت حاصل کیا ہے۔ یعنی ہندو دھرم اور بودھ دھرم از سرنو سرسبز ہو رہے ہیں۔ اور دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں ❀

مغرب کے بے چین اور مضطرب ناستک دہریوں اور مادہ پرستوں کی آتماؤں کو گیتا اور ویدک دھرم ہی میں امن اور آرام نصیب ہوتا ہے۔

زمانہ کے حالات بالکل بدل گئے ہیں۔ ہندو جو کہ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے اپنے مکانوں کو بدخواہ ہاتھوں سے لگائی ہوئی آگ سے ڈھکا ہوا دیکھ رہے تھے۔ اب جبکہ نئے حالات کی روشنی نے اندھیرے اور دھوئیں پر فتح حاصل کر لی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ صرف ان کا ہی گھر ہے جو کہ مضبوطی اور شان سے بچا کھڑا ہے۔ اور باقی تمام یا تو مسمار ہو گئے ہیں۔ یا ہندو نمونے کے موافق از سرنو طیار کیئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہو گیا ہے۔ کہ جس کلہاڑے نے

. . . .

"اوپر جسکی جڑ ہے۔ اور نیچے جسکی شاخیں ہیں۔ ایسے ہمیشہ قائم رہنے والے متبرک پیپل کے درخت" دنیا کی جڑوں پر چوٹ کی تھی۔ وہ جلاح کے رحم اور ہمدردی سے بھرے ہوئے نشتر کی مانند ثابت ہوا ہے۔

انہیں معلوم ہو گیا ہے۔ کہ اپنے دھرم کو سائنس کے حملہ سے بچانے کے لیئے انہیں نہ تو اپنی متبرک کتابوں کے مضامین میں کھینچ تان کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی طرح کی اور دماغی ... کی حاجت ہے

صرف یہی نہیں، بلکہ وہ ایمانداری سے تمام ایسی باتوں کو جو کہ ان کی کتابوں
میں کمزوری ظاہر کرتی ہیں۔ مگر وہ قبول کر سکتے نہیں یا۔ کیونکہ پرانے پاک
رشیوں نے "اندھتی ورشن نیائے" کے مسئلہ کی مطابقت میں۔ کمزور
دماغوں کو مدد دینے کے لئے۔ انہیں ارا دتاً ہی کمزور کہا ہے۔ وہ ان پرانے
رشیوں کے مشکور ہیں۔ جنھوں نے ایسے عالمگیر اور وسیع مذہب کے سلسلہ
کا اظہار کیا ہے۔ کہ اب تک مادی دنیا میں جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے۔ یا آئندہ
معلوم ہونے والا ہے۔ سب اس میں پہلے ہی موجود ملتا ہے۔ انہوں نے
ان کی عظمت کو از سر نو قبول کرنا شروع کر لیا ہے۔ اور ان پہ یہ بات پھر
ظاہر ہونے لگی ہے۔ کہ وہ معلومات اور تحقیقات جو کہ مذہب کی ہر ایک محدود
اور تنگ سکیم کے لئے ایسی بربادی کرنے والی ثابت ہوئی ہیں۔ کوئی
نئی معلومات یا تحقیقات نہیں۔ بلکہ عقلی اور ذہنی دنیا میں دوبارہ دریافت
کی گئی ہیں۔ قدیم گذریں جب کہ ان کے بزرگوں نے ان سچائیوں کو روحانی
دنیا کی سیر کرتے ہوئے پہلے ہی معلوم کر لیا تھا۔
اس لئے انہیں نہ کوئی بات چھوڑنی پڑتی ہے۔ نہ کہیں تلاش
کے واسطے جانا پڑتا ہے۔ ان کے لئے صرف یہی کافی ہے۔ کہ وہ گیان کے
اس لامحدود بھنڈار میں سے جو کہ ان کے پاس موجود ہے۔ تھوڑا سا حاصل
کر کے اپنے کام میں لائیں۔ انہوں نے یہ کام شروع بھی کر دیا ہے۔ اور دن
بدن زیادہ کرتے جاتے ہیں۔ کیا اس نئی زندگی کا یہی اصلی کارن نہیں ہے؟
بنگال کے نوجوانو۔ میں آپ سے خاص طور پر اپیل کرتا ہوں۔
بھائیو۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بہت شرم آتی ہے۔ کہ بہت سی اصلی
برائیاں جن کی وجہ سے غیر قومیں ہندوؤں کو مطعون کرتی ہیں فقط

ہماری وجہ سے ہیں ہم سب کو یہ بات معلوم ہے۔ کہ ہم ہندوستان کی اور قوموں پر ایسے ایسے عیب لگائے جانے کے موجب ہیں۔ جن کے کہ وہ کسی طرح مستحق نہیں کہے جا سکتے۔ لیکن پرماتما کا شکر ہے کہ اب ہم اچھی طرح جاگ اٹھے ہیں۔ اور ان کی کرپا سے ہم صرف اپنے آپ کو ہی ان عیبوں سے جلد پاک نہیں کریں گے۔ بلکہ تمام بھارت کو دائمی مذہب کا جو معراج تبایا گیا ہے۔ اسکے حاصل کرنے میں مدد دیں گے۔

آؤ آؤ ہم پہلے اس کلنک کے ٹیکے کو جو قدرت ہمیشہ غلاموں کے ماتھے پر لگایا کرتی ہے۔ دھو ڈالیں۔ وہ ٹیکہ حسد اور بغض کا ہے کسی سے حسد اور بغض مت کرو۔ ہر ایک نیک کام کرنے والے کی مدد کو طیار رہو۔ تینوں لوگوں میں ہر انسان کی بہتری کے خیالات پھیلاتے رہو۔ آؤ ہم اپنے دھرم کی ایک مرکزی سچائی پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں۔ یہ سچائی ہم سب ہندوؤں کا خواہ وہ بودھ ہوں یا جینی شیو ہوں یا شاکت سب کا مشترکہ ورثہ ہے۔ وہ سچائی انسانی روح ہے۔ آتما ہے۔ جو کہ اننت ہے۔ انادی ہے۔ اجنما ہے۔ امرت ہے۔ اور سروویاپک ہے۔ جسکی عظمت کو وید بھی پورا پورا اظہار نہیں کر سکتے۔ جسکی شان کے سامنے تمام دنیا مع اپنے مختلف نظام شمسیوں۔ سیاروں۔ اور دیگر عجائبات کے ایک قطرہ ناچیز ہے۔ ہر مرد۔ یا ہر عورت۔ نہیں نہیں بلکہ اعلےٰ سے اعلےٰ دیوتا سے لیکر ادنےٰ سے ادنےٰ کیڑے تک جو کہ تمہارے پاؤں میں رینگتا ہے۔ ایسی ہی ایک آتما ہے۔ جس کا وکاش ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے۔ یہ فرق جو نظر آرہا ہے۔ درجے کا ہے قسم کا نہیں۔ یہ آتما کی لامحدود طاقت مادہ کے ساتھ مل کر مادی ترقی کا اظہار کرتی

ہے سخیال کیا تھا بلکہ دماغی ترقی ظاہر کرتی ہے۔ اور اپنے ہی ساتھ بلکہ انسان
کا دیوتا بنا دیتی ہے۔

آؤ پہلے ہم خود دیوتا بنیں اور پھر اوروں کو دیوتا بننے میں مدد دیں۔
بنو اور بناؤ یہ ہمارا مقولہ ہونا چاہئے۔ یہ مت کہو کہ انسان گنہگار ہے۔ بلکہ
اسے بتاؤ کہ وہ دیوتا ہے خواہ شیطان بھی ہو۔ لیکن ہمارا فرض یہ ہے
کہ ہم ہمیشہ خدا کو یاد کریں اور شیطان کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ اگر کمرے
میں اندھیرا ہے اس اندھیرے کا ہر وقت تذکرہ رکھنے یا ہمیشہ اسکی
شکایت کرنے سے وہ اندھیرا دور نہ ہوگا۔ بلکہ ہمیں اندھیرا دور کرنے
کے لئے روشنی لانی چاہئے۔ ہمیشہ یاد رکھو۔ کہ تمام منفی طاقت یا
برباد کرنے کی طاقت یا تمام نکتہ چینی یہ سب لازمی طور پر عارضی ہیں
صرف مثبت اور بنانے کی طاقت ہی ناقابل برباد اور ہمیشہ رہنے
والی ہے۔ آؤ ہم کہیں کہ "ہم ہیں" اور "پرماتما ہیں" "ہم پرماتما ہیں" "میں ایشور
ہوں"۔ اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے چلیں۔ مادہ نہیں۔ بلکہ آتما
ہے۔ وہ تمام جسکا نام اور روپ ہے۔ اسکے ماتحت ہے۔ جب آتما کا کوئی نام
ہے نہ روپ ہے۔ یہ دائمی سچائی ہے۔ جو ہماری ہستیاں تلقین کرتی ہیں
روشنی لاؤ اندھیرا خود ہی دور ہو جائیگا۔ ویدانت کے شیر کو گرجنے دو۔
تو گیدڑ خود بھاگ کر چھپ جائینگے۔ اپنے خیالات کو ہر طرف پھیلا دو
نتیجہ کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ جو ہوتا ہے آپ ہو رہے گا۔ مصالحوں کو اکٹھا کر دو
مرکب خود ہی بن جائیگا۔ آتما کی طاقت کو ترقی دیکر بھارت بھر میں
شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پھیلا دو۔ اور جو کچھ ضروری ہے
خود بخود ہی ہو جائیگا۔

تمہارے اندر جو خدائی طاقت پوشیدہ ہے ظاہر ہونے دو۔ باقی چیزیں
اسکے گرد خود بخود اکٹھی ہو جائینگی۔ سو یہ وہیں "اندر" اور "روچن" کی جو کتھا آتی
ہے۔ اسے یاد رکھو۔ دونوں کو یکساں خدائی طاقت کی تعلیم دیگئی
وروچن جسم کو ہی خدا مان بیٹھا۔ اندر نے سمجھ لیا۔ کہ آتما سے مراد ہے
تم ہی اندر کی اولاد ہو۔ تم ہی دیوتاؤں کی نسل ہو سمجھو کہ مادہ کبھی تمہارا
پرماتما نہیں ہو سکتا۔ جسم ایشور نہیں بن سکتا۔ ہندوستان ضرور فتح پائیگا
لیکن جسم کی طاقت سے نہیں۔ بلکہ آتما کی شکتی سے۔ بربادی کا
جھنڈا لیکر نہیں امن اور محبت کا جھنڈا لیکر۔ اور سنیاسی کا بانا دھارن
کر کے دولت کی طاقت سے نہیں۔ بلکہ سنیاسیوں کی بھگتی کی
طاقت سے اٹھیگا۔ مت کہو کہ تم کمزور ہو۔ آتما طاقت مجسم ہے۔ پرم ہنس
سری رام کرشن جی کے پوتر چرن چھو کر جو چیلے ادھر ادھر نکلے ہیں۔
ان کی طرف نظر کرو۔ انہوں نے ان کے پیغام کو آسام سے سندھ
اور ہمالیہ سے راسکماری تک پہنچا دیا۔ برف اور یخ میں بیس ہزار
فٹ کی بلندی طے کر کے ہمالیہ کی چوٹی تک پہنچے۔ اور تبت کے خفیہ دروں
تک جا دھمکے۔ انہوں نے اپنے لئے دربدر روٹی مانگی۔ تن پر پھٹے
پرانے چیتھڑے پہنے۔ پولیس نے انہیں تنگ کیا۔ جیلخانوں میں رکھا۔
لیکن جب سرکار کو انکی بے قصوری اور معصومیت ثابت ہوگئی۔ ان
کو چھوڑ دیا گیا۔ اب ان کی تعداد بیس ہے۔ بنگال کے نوجوانو!
اسے دو ہزار تک پہنچا دو۔ تمہارے دیش کو اسکی ضرورت ہے۔ دنیا
بھر کو اس سے فیض پہنچنے والا ہے۔ اپنے اندر کی آتمک شکتی کو اوپر
اٹھاؤ۔ اور وہ تمہیں سردی گرمی بھوک اور پیاس برداشت کرنیکے

قابل بنائیگی۔ آرام سے گھروں میں بیٹھکر زندگی کے عیش و آرام میں پھنسے
ہوئے مذہب کیلئے کچھ تھوڑا بہت کام کرنا دوسرے ممالک کیلئے مفید ہو تو ہو۔
لیکن بھارت ورش کے اندر حقیقت کو پہچاننے والی آنکھ موجود ہے
جو فوراً انقلاب کے اندر تاڑ لیتی ہے۔ آؤ۔ اس پرفتہ کو پھینک دو۔ اس سے
کام نہیں چل سکتا۔ قربانی کے بنا کوئی بڑا کام تکمیل نہیں پا سکتا۔
اس دنیا کے بنانے کیلئے اوس مہاپرش نے بھی اپنے آپ کو قربان
کر دیا۔ اپنے عیش و آرام کو چھوڑ دو۔ اپنی خوشی نام۔ شہرت اور حیثیت
کی پرواہ نہ کرو۔ نہیں نہیں۔ اپنی زندگی کو بھی خیرباد کہدو۔ اور انسانی
زنجیروں کا ایک ایسا پل طیار کر دو۔ تاکہ اسکی بدولت کروڑہا انسان
زندگی کے سمندر سے پار اتر جائیں۔ پرواہ نہ کرو کہ تمہارا رنگ کیسا ہے
ہرا۔ نیلا۔ لال جیسا بھی ہو ہونے دو۔ سب رنگوں کو ملا دو۔ اور وہ
سفیدی کی تیز چمک پیدا کردو۔ جسے پریم کا رنگ کہتے ہیں۔ ہمارا فرض
کام کرنا ہے۔ پھل اور نتیجے انیانند نسبت آپ کرینگے۔ اگر تمہارے
دیہ ملنے کے راستہ میں کوئی جماعتی انسٹیٹیوشن رکاوٹ پیدا کرتی ہے تو
کرنے دو۔ تمہارے آتم بل کے سامنے اسے گردن جھکانا ہی پڑیگا
میں مستقبل کو نہیں دیکھتا۔ مجھے اسکی پرواہ ہے۔ ہاں ایک جیتی جاگتی موہنی
تصویر میری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ ہماری بوڑھی ماتا بھارت پھر بیدار
ہو گئی ہے۔ اور اپنے تخت پہ اپنی دائمی ثروت و تازگی اور شان و شوکت سے
براجمان ہے۔ آؤ ہم دنیا بھر میں بہ تمکنت اور آشیرباد کی زبان سے
اس بات کا اعلان کریں کہ

محسن ہے مہربان ہے سارے جہاں کی جان ہے۔ آؤ جھکائیں سر کو بھارت ہماری ماں ہے۔

ہندوستان بھر میں ایک کامیاب بیمہ کمپنی

سرمایہ بیس لاکھ

آل انڈیا بنکنگ اینڈ انشورنس کمپنی لمیٹڈ

صدر دفتر امرتسر

سرمایہ بیس لاکھ ۲۰۰۰۰۰۰

تعداد ممبران قریباً پچاس ہزار ۵۰۰۰۰

زر امداد تقسیم شدہ قریباً دو لاکھ ۲۰۰۰۰۰

شادی فنڈ ماہواری چندہ [illegible] بیمہ جان فنڈ [illegible] ماہوار

ہوشیار ایجنٹوں کی ضرورت ہے کمیشن بڑا معقول یا تنخواہ عنہ ماہوار سے تین صد روپیہ ماہوار تک مل سکتی ہے۔

مفصل حالات و قواعد طلب کرو

جنرل مینیجر انشورنس ڈیپارٹمنٹ آل انڈیا بنکنگ اینڈ انشورنس کمپنی لمیٹڈ امرتسر